تدبّر

2/93

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاھور - پاکستان

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/= روپے

موضوعات: خدا کی ذات و صفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیر و شر۔ جبر و اختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اوّل ۸۷/= روپے

موضوعات: اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۴۲/= روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۱۷۶/= روپے

○ تفہیمِ دین ۵۴/= روپے

موضوعات: قرآنیات۔ تحقیق حدیث و سنت۔ فلسفۂ دین۔ اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰

فون۔ ۴۸۰۸۰۰

تدبّر

سلسلہ نمبر ۴۲   فروری ۱۹۹۳ء   رمضان ۱۴۱۳ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

نئی قومی تعلیمی پالیسی ——— خالد مسعود ۳

تدبر قرآن

تفسیر سورہ ھود (۱) ——— خالد مسعود ۷

تدبر حدیث

اعمال میں اخلاص کی شرط ——— امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۱۵

عدالتی طریق کار ——— امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۲۴

اسالیب قرآن

حذف (۳) ——— خالد مسعود ۳۲

مقالات

غزوہ احد ——— خالد مسعود ۳۶

تبصرہ کتب

رویت ہلال کے مسائل کا نیا تجزیہ ——— عبداللہ غلام احمد ۴۷

مجلسِ ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سُبحانی
- سعید احمد

ناشر ——— ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
مطبع ——— المطبعۃ العربیّۃ لاہور
قیمت -/۸ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ
خالد مسعود

نئی قومی تعلیمی پالیسی

جن لوگوں کی نظر اس ملک کی اجتماعی اخلاقی صورت حال پر ہے وہ جانتے ہیں کہ پاکستانی قوم ایمان و کردار دونوں کے لحاظ سے بڑی تیزی سے زوال پذیر ہے۔ دنیا پرستی کی ایک ایسی دوڑ لگی ہوئی ہے جس میں ہر شخص، خواہ وہ کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو، حسب استطاعت شریک ہو گیا ہے۔ شرافت، دیانت اور اصول پسندی کی زندگی اب قصہ پارینہ ہوتی جا رہی ہے۔ خال خال لوگ ہی اب اس کے قدردان رہ گئے ہیں۔ خود غرضی، بد دیانتی اور نااہلی ہر شعبہ زندگی میں در آئی ہے۔ دینی و اخلاقی قدروں سے بے پروائی عام ہے۔ کسی اعلیٰ مقصد زندگی کا تصور ناپید ہے۔ ملک کی انتظامیہ ایک اسلامی مملکت کے لیے انتہائی ناموزوں اور بے جوڑ ہے جو دینی قدروں ہی سے عناد رکھتی ہے۔ تعلیمی ادارے جو کسی ملک کے مستقبل کے معمار تیار کرتے ہیں ہمارے ہاں نااہل طالب علموں کو جھوٹی سندیں فراہم کرنے کے اڈے بن گئے ہیں۔ امتحان کا نظام ناکام ہو گیا ہے۔ طالب علم کی جدوجہد اور محنت بے معنی ہو گئی ہے اور زور واثر کے استعمال سے نمبر حاصل کیے جاتے ہیں۔

ہم اس صورت حالات سے کیوں دوچار ہو گئے ہیں؟ اگر کوئی صاحب اس کا سبب کثرت آبادی، بے روزگاری، رسل ورسائل کی کمی، معاشی منصوبہ بندی کے فقدان، دشمنوں کی سازشوں، وغیرہ میں تلاش کرتے ہیں تو ان کی نادانی ہے۔ ان میں کوئی چیز اتنا ہمہ گیر فساد پیدا نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد ہم نے پاکستان میں بسنے والی قوم کو ان مقاصد کے لیے تیار کرنے کی کبھی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جن کے لیے ملک حاصل کیا گیا تھا۔ اگر ہم ان مقاصد کے ساتھ مخلص ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم پہلے دن ہی سے اس نظام تعلیم کی اصلاح پر کمربستہ نہ ہو جاتے جس کو لارڈ میکالے نے انگریزوں کی اغراض پوری کرنے کے لیے وضع کیا تھا۔ تعلیم ایک ایسا عنصر ہے جو کسی قوم کے افراد کے بناؤ اور بگاڑ میں اساسی کردار ادا کرتا ہے۔ اچھی تعلیم قوم کو اعلیٰ

مقاصد کے لیے تیار کرتی اور افراد قوم میں بلند کرداری، ایثار و قربانی، وفاشعاری اور قانون کے احترام کی خصوصیات پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس خراب تعلیم، اعلیٰ مقاصد سے ناآشنا، اخلاق و کردار سے عاری بے مصرف لوگوں کی بھیڑ تیار کرتی ہے۔ قومی نظام تعلیم میں جب ہم کوئی بنیادی تبدیلی لانے میں ناکام رہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گزرنے والا دن بد سے بدتر نتائج سامنے لانے لگا۔

ضیاء الحق مرحوم کے طویل دور حکومت میں نظام تعلیم کے حوالے سے بس یہ تبدیلی سامنے آئی کہ مطالعہ پاکستان اور اسلامیات کے دو اضافی مضامین لازمی قرار دیے گئے تاکہ ان کے مطالعہ سے طلبہ اپنی قومی تاریخ اور اپنے دین کے ایک محدود حصے سے واقفیت حاصل کر سکیں، حالانکہ یہی وہ دور ہے جو تعلیمی اداروں میں کلاشنکوف کلچر کے رائج ہونے کا دور کہلاتا ہے۔ 1990ء میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت قائم ہونے سے قوم نے اپنی تمناؤں کے بر آنے کی امیدیں باندھ لیں اور وزیر اعظم نے جب آتے ہی حکومت کے تمام شعبوں کو اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنے کا حکم دیا تو یہ توقع پیدا ہو گئی کہ شاید اس بار ہم لارڈ میکالے کے جال سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

20 دسمبر 1992ء کو وفاقی وزیر تعلیم جناب فخر امام نے ایک پریس کانفرنس میں 2002ء تک کے لیے حکومت پاکستان کی آئندہ دس سالہ پالیسی کا اعلان کیا جو ظاہر ہے کہ وزیر اعظم کی مذکورہ ہدایت ہی کے تحت اور دو سال کے سوچ بچار کے بعد وضع ہوئی۔ اعلان میں بتایا گیا کہ حکومت دس سالوں میں شعبہ تعلیم میں 143 ارب روپے کا زر کثیر صرف کرے گی جس کے نتیجہ میں پرائمری تعلیم ہر بچے کو میسر ہو جائے گی، ملک کی خواندگی کی شرح موجودہ 34 فیصد سے بڑھ کر 70 فیصد ہو جائے گی، موجودہ کمپیوٹر دور کی مناسبت سے فنی تعلیم کے اداروں میں 170 فیصد اضافہ کر دیا جائے گا۔ بیس نئی یونیورسٹیاں قائم کی جائیں گی جن میں نجی شعبہ کو آگے بڑھایا جائے گا۔ نہ صرف ملکی افراد نجی یونیورسٹیاں قائم کر سکیں گے بلکہ بین الاقوامی شہرت یافتہ یونیورسٹیوں کو بھی اپنی شاخیں پاکستان میں کھولنے کی اجازت دی جائے گی۔ اعداد و شمار کا ایک گورکھ دھندا ہے جس کا نام نئی قومی تعلیمی پالیسی ہے۔

اس پالیسی کا اعلان ایسے پر آشوب وقت میں ہوا جب قوم کی توجہ اندرون ملک حزب مخالف کے لانگ مارچ اور صدر مملکت کے پارلیمنٹ سے خطاب اور بیرون ملک بابری مسجد کے انہدام سے پیدا ہونے والی صورت حال کی طرف مبذول تھی۔ لہٰذا یہ اہم پالیسی نظر انداز ہوئی۔ ماہرین تعلیم نے اس پر اظہار رائے کیا اور نہ قومی مقاصد کے ساتھ اس کی مطابقت کو پرکھا گیا۔ چند اخباری اداریوں کے سوا اس پر کوئی تبصرہ نہیں ہوا۔ اگرچہ اس پالیسی کو اسلامی اتحاد کے انتخابی منشور کی روشنی میں مرتب کرنے کا

دعویٰ کیا گیا ہے لیکن جاننے والوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ پالیسی بے نظیر بھٹو کے دور حکومت کے وزیر تعلیم غلام مصطفیٰ شاہ کے زیر نگرانی تشکیل پانے والی پالیسی کا چربہ ہے۔ شاہ صاحب کے دینی و قومی رجحانات کے متعلق معلوم ہے کہ وہ کسی بچے پاکستانی مسلمان کے نہیں ہو سکتے۔

پالیسی پر جو محدود رائے زنی کی گئی ہے اس کے مطابق اس کی تشکیل میں حقیقت پسندی سے کام نہیں لیا گیا۔ اس کا بیشتر حصہ وفاقی حکومت کے دائرہ کار میں آتا ہی نہیں اور اس کی منصوبہ بندی کی مجاز صوبائی حکومتیں ہیں۔ حکومتوں کی پچھلی کارگزاری کو دیکھتے ہوئے پالیسی کے اہداف غیر حقیقی ہیں۔ نجی یونیورسٹیوں میں بین الاقوامی سرمایہ کاری کی اجازت دے کر غیر ملکیوں کو ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا موقع فراہم کیا گیا ہے جس سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ تبصرے یقیناً بے حد وقیع ہیں لیکن ہمیں اس پالیسی سے اس اعتبار سے وحشت ہوئی ہے کہ یہ ہماری حکومت کی بے حسی اور بنیادی قومی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی ایک علامت بن کر سامنے آئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو قومی فساد، جو موجودہ نظام تعلیم ہی کا عطا کردہ ہے، نظر نہیں آتا اور وہ آئندہ دس سالوں میں بھی اس کی اصلاح کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ وہ یہ ذمہ داری لینے سے کترانا چاہتی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے اور ان بنیادی عوامل کا سد باب کرے جو قومی اخلاق کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔

ہمارے ملکی دستور کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت ملک کے باشندوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ رکھنے کا اہتمام کرے تاکہ ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر کتاب و سنت کی بنیادوں پر ہو سکے۔ جدید تعلیمی پالیسی میں اس تقاضا سے واضح انحراف موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ دستور کا یہ مقصد تعلیم کے سوا کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ خلافت راشدہ کے دور میں جب یہی مقصد پیش نظر تھا تو تمام شہروں میں سرکاری اہتمام سے معلمین قرآن کا تقرر کیا گیا تھا۔ وہ علم جو اللہ کی کتاب عطا کرتی ہے دنیا کی سلامتی اور آخرت کی بھلائی کا ضامن ہے۔ اس سے ایمان اور اسلامی کردار پیدا ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تعلیمی اداروں میں مناسب نصابی تبدیلیاں ناگزیر ہیں کیونکہ قومی سطح پر اس کے حاصل کرنے کا کوئی دوسرا انتظام موجود نہیں۔

ہمارے نزدیک جناب وزیر اعظم اگر اس قوم کی واقعی صحیح خطوط پر تعمیر چاہتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیانات میں اظہار کرتے رہتے ہیں، تو یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیمی پالیسی پر نظر ثانی کر کے اس کو قومی مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔ اس کے لیے ضرورت ہو گی کہ اس میں نصابی تبدیلی کا عنصر شامل کیا جائے اور قرآن مجید کی تعلیم درجہ بدرجہ اس طرح لازم کی جائے کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے ایک بچہ کم از کم ایک چوتھائی قرآن کے مطالب سے آشنا اور ان کے تقاضوں سے آگاہ ہو چکا ہو۔

تعلیم قرآن کا یہ سلسلہ مناسب حد تک کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کے دوران بھی جاری رہے۔ اس وقت اردو اور انگریزی کا سکولوں اور کالجوں کا نصاب انتہائی غیر معیاری ہے۔ اخلاقی مضامین اس کے اندر سے چن چن کر نکال دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا سے بے خوف اور آخرت سے بے پروا اور غیر ذمہ دار معاشرہ وجود میں آ رہا ہے۔ انگریزی سکولوں کی مخصوص کتابیں تو انتہائی قابل اعتراض اور دین سے برگشتہ کرنے والی ہیں۔ آخر اس صورت حال کو تحفظ فراہم کرنے میں کون سی مصلحت پیش نظر ہے اور وہ کون سی طاقت ہے جو اس کی اصلاح کی راہ میں حائل ہے۔ کالجوں میں اسلامیات کے شعبے دینی بیداری کا وہ ہمہ گیر کام نہیں کر سکتے جو عام نصابی کتب میں دینی تعلیم کی آمیزش سے کرنا ممکن ہے۔

خالص دینی تعلیم سے ہماری تعلیمی پالیسیوں میں ہمیشہ اغماض برتا گیا ہے۔ اس کا یہ باعث تو سمجھ میں آتا ہے کہ حکومت علماء کے قائم کردہ اداروں میں کسی مداخلت کو مناسب نہیں سمجھتی۔ اس میں اس کے لیے مشکلات ہیں۔ لیکن اس اہم شعبہ کو نجی دائرے کے لیے مخصوص کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ علماء اپنے محدود وسائل اور ناکافی سہولتوں کے ساتھ گنتی کے چند طلبہ کو اپنے ساتھ وابستہ کر کے چھوٹے چھوٹے ادارے قائم کر لیتے ہیں جن کی کارکردگی یقیناً معیاری نہیں ہو سکتی۔ اس صورت حال میں حکومت کی طرف سے خالص دینی تعلیم کے اہتمام میں صاف بے اعتنائی پائی جاتی ہے جو ایک اسلامی مملکت کے لیے کسی درجے میں بھی قابل برداشت نہیں۔ یہ سراسر غفلت ہے۔ آخر یہ کیوں ممکن نہیں کہ حکومت دین کی خصوصی تعلیم کے لیے جا بجا اپنے اہتمام میں دینی ادارے قائم کرے۔ جس طرح دنیاوی تعلیم میں وہ سرکاری شعبے کے ساتھ نجی شعبے کی شراکت کی خواہاں ہے اسی طرح دینی تعلیم کے معاملہ میں وہ نجی شعبے کے ساتھ خود شریک ہونے سے کیوں کترانا چاہتی ہے۔ کیا یہ میدان اس کے دائرہ کار میں نہیں آتا۔ امت مسلمہ کی تاریخ میں تو دینی تعلیم کی سرپرستی کی نہایت روشن مثالیں موجود ہیں جو آج بھی ہمارے لیے قابل تقلید ہیں۔

ہمارے نزدیک وہی قوم ترقی کر سکتی ہے جو اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھے اور فساد کے تمام سرچشموں کو بند کرنے کے لیے مستعد رہتی ہو۔ اگر وہ اصلاح کی طرف سے آنکھیں بند کر لے تو تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس وقت قوم کی اصلاح کے لیے جن انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے، نظام تعلیم کی تبدیلی ان کی راہ کھولتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہماری حکومت قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کرنے اور اسلامی اخلاق کی ترویج کے اخلاقی وآئینی فریضہ کو پہچانے، ورنہ خطرہ ہے کہ اکیسویں صدی میں وہ ایمان واخلاق سے بالکل عاری قوم کے ساتھ داخل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام سے محفوظ رکھے۔

خالد مسعود

تفسیر سورہ ھود (۱)

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے

یہ الر ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں، پھر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی ہے[۱] ○ کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ○ اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کرو[۲]، وہ تم کو ایک وقت معین تک اچھی طرح بہرہ مند کرے گا اور مستحق فضل کو اپنے فضل سے نوازے گا، اور اگر تم منہ موڑو گے تو میں تم پر ایک ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ○ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ م

ذرا دیکھو، یہ اپنے سینے موڑتے ہیں کہ اس سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو، یہ اس وقت بھی اس کی

مضمون: حق وباطل کی کشمکش میں مومنین کو غلبہ اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لئے آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس سفر میں صبر واستقامت ان کی فیروزمندی کا باعث بنتی ہے۔

[۱] یہ قرآن مجید کی ایک خصوصیت ہے کہ تعلیم وتربیت کے نقطہ نظر سے اس کی تعلیمات پہلے گتھے ہوئے مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں پھر بتدریج وہ واضح اور مفصل ہوتی گئیں۔ چنانچہ مکہ کے ابتدائی دور کی سورتیں اختصار، جامعیت اور اعجاز بیان کا کامل نمونہ ہیں۔ مدنی دور میں دین کی وہی بنیادی باتیں ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کی شکل میں نمایاں ہوگئیں۔

[۲] آیت میں استغفار اور توبہ کا حکم ہے۔ استغفار سے مراد آدمی کا اپنے جرم کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا اور آئندہ اس سے باز رہنے کا عہد کرنا ہے۔ توبہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کی طرف رجوع کرے اور اللہ کی بتائی ہوئی صحیح راہ کو اختیار کرے۔

نظر میں ہوتے ہیں جب اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں ے۲۔ وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے ○ اور زمین کے ہر جاندار کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ اور وہ جانتا ہے اس کے مستقر اور مدفن کو۔ ہر چیز ایک واضح رجسٹر میں درج ہے ○۔

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور اس کا عرش پانی پر تھا ے۳ تاکہ تمہیں جانچے کہ کون اچھے عمل والا ہے اور اگر تم کہتے ہو کہ مرنے کے بعد تم لوگ اٹھائے جاؤ گے تو یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے ے۵ ○ اور اگر ہم ان سے عذاب کو کچھ مدت کے لئے ٹالے دیتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ اس کو کیا چیز روکے ہوئے ہے! آگاہ کہ جس دن وہ ان پر آدھمکے گا تو ان سے ٹالا نہ جاسکے گا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہ ان کو آگھیرے گی ○ اور اگر ہم انسان کو اپنے کسی فضل سے نوازتے ہیں پھر اس سے اس کو محروم کردیتے ہیں تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے ○ اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی اس کو نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے میری مصیبتیں دفع ہوئیں اور وہ اکڑنے والا اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے ے۶ ○ صرف وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جو صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں۔ انہی کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ○۔

شاید اس چیز کا کچھ حصہ تم چھوڑ دینے والے ہو جو تم پر وحی کی جارہی ہے اور اس سے تمہارا سینہ بھنچ رہا ہے کہ وہ کہیں گے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ تو تم بس ایک ہوشیار کردینے والے ہو اور ہر چیز اللہ کے حوالہ ہے ے۷ ○۔ کیا یہ کہتے ہیں

ے۲۔ یہ تصویر ہے متکبرین قریش کے رویہ کی کہ وہ پیغمبرؐ کے انذار کے جواب میں غرور سے سینہ موڑ کے اور چادر لپیٹ کے چل دیتے۔ اس طرح وہ حقیقت کا سامنا کرنے سے گریز کرتے۔ خدا کے انذار سے بچنے کی یہ تدبیر نہایت احمقانہ ہے جس سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ے۳۔ یعنی خشکی نمودار ہونے سے پہلے کرۂ ارض پانی کا ایک گولا تھا اور اللہ کی حکومت اس پر تھی۔ خشکی نمودار ہوئی تو درجہ بدرجہ یہ پورا عالم ہستی آباد ہوا۔ لہٰذا اس کا ظہور کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم غایت ہے جس کا پورا ہونا لازمی ہے۔

ے۵۔ یعنی تمہارے حسن بیان کو صداقت کی دل نشینی قرار دینے کے بجائے بیان کی جادوگری قرار دیتے ہیں۔

ے۶۔ یعنی انسان کا حال عجیب ہے کہ جب خدائی پکڑ میں آجاتا ہے تب تو بالکل مایوس اور دل شکستہ ہوجاتا ہے لیکن جب خدا ذرا ڈھیل دے دیتا ہے تو اکڑنے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ تھوڑے لوگ ایسے نکلتے ہیں جو مصیبت میں صبر کرتے ہیں اور نعمت ان کے لئے شکر اور اعمال صالحہ کی راہیں کھولتی ہے۔

ے۷۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موقف حق پر استقامت کی تلقین اور اپنی ذمہ داری کو اس کے حدود ہی تک

کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو کہ پھر تم ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو ○ پس اگر وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں تو تم سمجھ لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے اترا ہے ے۸ اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا اب تم مانتے ہو؟ ○ ۱۴

جو دنیا کی زندگی اور اس کے سروسامان کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی ○ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ے۹ اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب حبط ہوجائے گا اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ○ ۱۶

کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک برہان پر ہے، پھر اس کے بعد اس کی طرف سے ایک گواہ بھی آجاتا ہے اور اس کے پہلے سے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود ہے (اور وہ جو نور بصیرت سے محروم ہیں، دونوں یکساں ہوجائیں گے) اس پر ایمان تو وہی لوگ لائیں گے ے۱۰۔ اور جماعتوں میں سے جو اس کا انکار کریں گے ان کا موعود ٹھکانہ بس دوزخ ہے۔ پس تم اس کے باب میں کسی شک میں نہ پڑو، یہی تمہارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں مانتے ○ اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑیں ے۱۱۔ ان لوگوں کی پیشی ان کے رب کے سامنے ہوگی اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولے ہیں۔ آگاہ کہ اللہ کی لعنت ہے

محدود کرنے کی ہدایت ہے۔ خطاب میں جو تیزی ہے اس کا رخ اصلاً آپ کی طرف نہیں بلکہ ان معاندین کی طرف ہے جن کا عناد اس ہدایت کا موجب ہوا ہے۔

ے۸۔ اشارہ مشرکین کے خیالی شرکاء و شفعاء کی طرف ہے۔ فرمایا کہ اگر اس نازک موقع پر بھی ان کی غیرت جوش میں نہیں آئی اور وہ تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے تو پھر آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں۔

ے۹۔ یعنی لوگوں کو اگر یہ گھمنڈ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے ان کا حال تم سے بہتر ہے تو وہ یاد رکھیں کہ دنیا اور اس کی زینتیں نیک اعمال کے صلہ کے طور پر نہیں ملا کرتیں بلکہ دنیا کے طالبین کو اللہ سب کچھ اسی دنیا میں پورا کر دینا چاہتا ہے، آخرت میں ان کے لئے دوزخ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

ے۱۰۔ اس طرح کے استفہامیہ جملوں میں بعض اوقات مقابل جملہ حذف کر دیا جاتا ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے۔ ترجمہ میں اس کو کھول دیا گیا ہے۔ آیت میں بینہ سے مراد انسان کے اندر کا نور فطرت ہے۔ شاہد سے مراد وحی الٰہی ہے جس کا مظہر قرآن ہے اور جس کی تصدیق و تائید کے لئے شہادتیں تورات میں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نور فطرت کی حفاظت کرنے والوں کے لئے قرآن ایک مانوس چیز ہے۔ وہ اس پر ایمان لائیں گے۔

ے۱۱۔ اللہ پر جھوٹ گھڑنے سے مراد خدا کے شریک ٹھہرانا ہے جن کے حق میں کوئی دلیل اور سند موجود نہیں۔

ان ظالموں پر ○ جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں ○ یہ زمین میں خدا کے قابو سے باہر نہیں اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے، ان پر دوہرا عذاب ہوگا۔ یہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے ہی تھے ○ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اور جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے سب ہوا ہو جائیں گے ○ لازماً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خسارے میں ہوں گے ○ باقی رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور جو اپنے رب کی طرف جھک پڑے تو وہی لوگ جنت والے ہیں ـ۱۲۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○ دونوں فریقوں کی تمثیل ایسی ہے کہ ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں کا حال ایک جیسا ہو جائے گا؟ **کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے ـ۱۳** ○ ۲۴

اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا ـ۱۴۔ اس نے ان کو آگاہ کیا کہ میں تمہارے لئے ایک نذیر مبین ـ۱۵ ہو کر آیا ہوں ○ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں تم پر ایک دردناک عذاب کے دن کا اندیشہ رکھتا ہوں ○ اس کی قوم کے ان سربراہوں نے جنہوں نے کفر کیا، جواب دیا کہ ہم تو تم کو بس اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمہاری پیروی کرنے والوں میں انہی کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے ذلیل لوگ ہیں، بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لئے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے ہیں ـ۱۶ بلکہ ہم تو تم کو بالکل جھوٹا خیال کر رہے ہیں ○ ۲۷

ـ۱۲۔ یعنی مختلف وادیوں میں ہرزہ گردی کرنے کے بجائے وہ ہر ایک سے کٹ کر اپنے رب کی طرف پوری دل جمعی اور کامل یکسوئی کے ساتھ جھک پڑے۔

ـ۱۳۔ مطلب یہ کہ قرآن کی دعوت سرتاسر عقل و بصیرت پر مبنی ہے۔ اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کے کان اور دل کھلے ہیں اور جنہوں نے خدا کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتیں محفوظ رکھی ہیں۔

ـ۱۴۔ آگے آیت ۹۹ تک پچھلے رسولوں اور ان کی قوموں کی سرگزشتیں سنائی ہیں جن کا مقصد ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو صبر و عزیمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی تلقین کرنا اور دوسری طرف قریش کو رسول کی تکذیب کے نتائج سے خبردار کرنا ہے۔

ـ۱۵۔ نذیر مبین یعنی خدا کے پیغام کو علانیہ کی صورت میں قوم پر آنے والے عذاب سے کھلا ڈرانے والا۔

ـ۱۶۔ یعنی ہمارے ہی جیسے ایک انسان کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجنے کے کیا معنی؟ پھر تمہارے پیرو بھی وہ لوگ ہے جن کی سوسائٹی میں کوئی وقعت نہیں۔ نیز دین کو اختیار کرنے پر خدا نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی ترجیحی سلوک نہیں کیا لہٰذا تم جھوٹ موٹ کی مہم پر دھونس جما رہے ہو۔

اس نے کہا، اے میرے ہم قومو! بتاؤ اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور پھر اس نے خاص اپنی رحمت سے بھی مجھے نوازا اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تو کیا ہم اس کو تم پر چپکا دیں جب کہ تم اس سے بیزار بھی ہو ـ۱۷ ○ اور اے میرے ہم قومو! میں اس خدمت پر تم سے کسی مال کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمے ہے اور میں ان لوگوں کو ہرگز دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ بلکہ میں تو تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت میں مبتلا ہو ○ اور اے میرے ہم قومو! اگر میں ان کو دھتکاروں تو خدا کے مقابل میں کون میری مدد کرے گا؟ ـ۱۸ کیا تم لوگ اس پہلو پر دھیان نہیں کرتے ○ اور میں تمہارے سامنے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا اور نہ یہ دعویٰ کرتا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور نہ ہی میں ان لوگوں کے بارے میں، جن کو تمہاری نگاہیں حقیر دیکھتی ہیں، یہ کہہ سکتا کہ خدا ان کو کوئی خیر دے ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے ـ۱۹۔ اگر میں ایسا کروں تو میں ہی ظالم ٹھہروں گا ○ وہ بولے کہ اے نوح تم نے ہم سے بحث کر لی اور بہت بحث کر لی، اگر تم سچے ہو تو وہ چیز ہم پر لاؤ جس کی تم ہم کو برابر دھمکی سنا رہے ہو ○ اس نے جواب دیا کہ اس کو تو تم پر اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کے قابو سے باہر نہ نکل سکو گے ○ اور میری خیر خواہی تم پر کچھ کارگر نہیں ہو سکتی اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں ـ۲۰ اگر اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹنا ہے ○ ۳۴

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے، کہہ دو کہ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرے جرم

ـ۱۷۔ مطلب یہ کہ تم نے اپنی ناشکریوں اور بداعمالیوں سے اپنی فطرت کے نور کو گل کر دیا ہے جس کے باعث تمہارے اندر قبول ہدایت کی صلاحیت سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی ہے۔ اس صورت میں میں تم پر ہدایت کو کس طرح چپکا دوں۔

ـ۱۸۔ یعنی اگر میں تمہاری ناز برداری میں اللہ پر ایمان لانے والے ان غریبوں کو دھتکاروں تو کل کو خدا کی پکڑ سے مجھے کون بچانے والا ہوگا۔

ـ۱۹۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ میں نے ان چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ میں تو خدا کے رسول کی حیثیت سے اس کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوں۔ اسی لئے میں اس کو قبول کرنے والوں ہی کو اپنا ساتھی بنانے پر مجبور ہوں۔

ـ۲۰۔ تذکیر و موعظت کا آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اپنا فرض ادا کر کے اپنی سبکدوشی کا اعلان کر دیتا ہے۔ حضرت نوحؑ نے یہ بات اسی مرحلے میں فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تم خدا کے قانون کی زد میں آ چکے ہو۔ میری نصیحت تمہارے کسی کام نہیں آ سکتی۔

کا وبال میرے ہی اوپر ہے اور جو جرم تم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں ۲۱○ ۳۵

اور نوح کو وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو ایمان لاچکے ان کے سوا اب کوئی اور ایمان لانے والا نہیں تو جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں اس سے آزردہ خاطر نہ ہو○ اور تم کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق ۲۲ اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو، یہ تو غرق ہو کر رہیں گے○ اور وہ کشتی بنانے لگا۔ اور جب جب اس کی قوم کے بڑوں کی کوئی جماعت اس کے پاس سے گزرتی تو اس کا مذاق اڑاتی۔ وہ ان کو جواب دیتا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم مذاق اڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے ۲۳○ تم جلد جان لوگے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے○ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور طوفان ابل پڑا ۲۴، ہم نے اس کو کہا کہ ہر چیز میں سے نر و مادہ دونوں کو ۲۵ اور اپنے اہل و عیال کو، بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو چکا ہے ۲۶، اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اس کشتی میں سوار کرا لو۔ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد تو بس تھوڑی ہی تھی○ اور اس نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا ۲۷ اور اس کا

۲۱۔ یہ آیت قوم نوح کی سرگزشت کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک التفات بھی ہو سکتی ہے اور حضرت نوحؑ سے خطاب بھی ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت میں یہ موعظت کے آخری مرحلہ میں اعلان برأت ہوگا جس کے بعد قوم کے لئے فیصلہ کن گھڑی آجاتی ہے۔

۲۲۔ یعنی سنت الٰہی کے مطابق اب ان کے لئے خدا کی عدالت کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور فیصلہ الٰہی یہ ہے کہ یہ سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا تم اپنے اور اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے بچاؤ کے لئے ایک کشتی بناؤ۔

۲۳۔ بعض مرتبہ جملہ میں صوتی ہم آہنگی کے تقاضے سے لفظ ایک ہی استعمال ہوتا ہے لیکن مفہوم الگ الگ ہوتا ہے۔ یہاں بھی مذاق کے جواب میں چٹکیاں کسنا مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آج تم ہنس رہے ہو کل کو تم روؤ گے اور ہم نصرت الٰہی کے ظہور پر مسرور ہوں گے۔ حق کی فتح مندی اور باطل کی ہزیمت کے ایک یادگار واقعہ پر اہل ایمان کا خوش ہونا ان کے ایمان کا تقاضا ہے۔

۲۴۔ فار التنور کا محاورہ سائیکلونی طوفان کی تعبیر کے لئے استعمال ہوا ہے جو قوم نوح پر آیا۔

۲۵۔ ہر چیز سے مراد وہ جانور ہیں جو اس وقت تک انسان کے تصرف میں آچکے تھے اور اس کی مختلف ضروریات میں کام آ رہے تھے۔

۲۶۔ یعنی جو شیطان کی پیروی میں ایمان نہیں لائے اور خدا کے غضب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

۲۷۔ بسم اللہ سے کام کا آغاز کرنے میں یہ رمز ہے کہ اسباب کے پس پردہ جو مسبب الاسباب ہے وہ بھی نگاہ میں رہے،

لنگر انداز ہونا۔ میرا رب بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے○ ۴۱

اور وہ کشتی پہاڑوں کی طرح اٹھتی موجوں کے درمیان ان کو لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو، جو ان سے الگ تھا، آواز دی کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور ان کافروں کا ساتھ نہ دے○ وہ بولا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہی جس پر وہ رحم فرمائے۔ اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں سے ہو کے رہا ۲۸○ اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی اتار دیا گیا اور معاملے کا فیصلہ ہو گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹکی اور اعلان کر دیا گیا کہ ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے○ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے خداوند، میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ پکا ہے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے ۲۹○ فرمایا اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، وہ نہایت نابکار ہے۔ مجھ سے اس چیز کے لئے درخواست نہ کرو جس کے باب میں تمہیں کچھ علم نہیں ہے ۳۰ اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو○ اس نے کہا کہ اے میرے رب، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی درخواست کروں جس کے باب میں مجھے کوئی علم نہیں۔ اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامرادوں میں سے ہو جاؤں گا○ ارشاد ہوا اے نوح اترو، ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اپنے اوپر بھی اور ان امتوں پر بھی جو ان سے ظہور میں آئیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور ایسی امتیں بھی اٹھیں گی جن کو ہم بہرہ مند کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے ایک عذاب دردناک پکڑے گا○ ۴۸

یہ ماجرا غیب کی باتوں میں سے ہے جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ سے سنا رہے ہیں ۳۱، اس سے

اس لئے کہ اسباب اسی کے اذن سے کام کرتے ہیں۔

۲۸۔ بیٹے کے ڈوبنے کے عبرت انگیز واقعہ سے جہاں حضرت نوحؑ کی وفاداری کا امتحان مقصود تھا وہیں اس حقیقت کو بھی واضح کرنا تھا کہ خدا کا قانون اتنا بے لاگ ہے کہ نوحؑ کا بیٹا بھی نافرمان ہو تو وہ اس کی گردن بھی عین باپ کے سامنے دبا دیتا ہے۔

۲۹۔ یہ دعا حضرت نوحؑ نے اس وقت فرمائی جب بیٹے کو ڈوبتے دیکھا لیکن عذاب کے بیانیہ کو مکمل کرنے کے لئے اس کے ذکر کو موخر کر دیا گیا۔

۳۰۔ یعنی نبی کا گھرانا صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے اور نجات کا وعدہ صرف اہل ایمان کے لئے تھا جبکہ یہ بیٹا بالکل نابکار و نابنجار تھا۔

۳۱۔ یہ خاتمہ سرگزشت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات ہے۔

پہلے نہ تم ہی اس کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم کے لوگ ہی، تو ثابت قدم رہو، انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کا حصہ ہے ○ ۴۹

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود ؂۳۲ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے ان کو دعوت دی کہ اے میری قوم کے لوگو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یہ تم محض افترا کر رہے ہو ○ اے میری قوم کے لوگو، میں اس پر تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو بس اسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں ○ اور اے میری قوم کے لوگو، اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر خوب خوب اپنا ابر کرم برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ پر اضافہ فرمائے گا ؂۳۳ اور مجرمانہ روگردانی کی روش اختیار نہ کرو ○ وہ بولے کہ اے ہود، تم ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی لے کر تو آئے نہیں ؂۳۴ اور ہم مجرد تمہارے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم ہرگز تمہیں ماننے والے نہیں ○ ہم تو یہی کہیں گے کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اس کے سوا جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بالکل بری ہوں ○ تو تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل دیکھو، پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو ؂۳۵ ○ میں نے اللہ، اپنے اور تمہارے رب پر بھروسہ کیا، جتنے بھی جاندار ہیں ان کی پیشانی اسی کی گرفت میں ہے۔ بیشک میرا رب نہایت سیدھی راہ پر ہے ؂۳۶ ○ اگر تم اعراض کر رہے ہو تو میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا جو

؂۳۲۔ رسولوں کے باب میں یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے انہی کے ایک فرد کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ قومی و لسانی اجنبیت بیچ میں حائل نہ ہونے پائے۔ اس طرح گویا قوم پر خود اس کا اپنا بھائی نصیحت ادا کرتا ہے۔

؂۳۳۔ ابر کرم برسانا رزق و فضل میں زیادتی کی تعبیر ہے اور قوت میں اضافہ سے سیاسی قوت و شوکت میں اضافہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اجتماعی توبہ کی برکتیں بیان ہوئی ہیں لیکن انفرادی توبہ بھی برکات سے خالی نہیں ہوتی۔ بندہ اس سے بھی سکینت و طمانیت کی لازوال بادشاہت پاتا ہے۔

؂۳۴۔ کھلی نشانی سے مراد کوئی کھلا ہوا حسی معجزہ ہے۔

؂۳۵۔ یعنی اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تمہارے یہ معبود مجھے ضرر پہنچا سکتے ہیں تو تم مجھے ذرا مہلت نہ دو اور اپنے ترکش کے یہ آخری تیر بھی آزما دیکھو تاکہ دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے۔

؂۳۶۔ مشرکین کے عقیدے کے مطابق خدا تک پہنچنے کے لئے بندے کو کئی واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت ہودؑ نے فرمایا کہ خدا بالکل سیدھی راہ پر میرے سامنے ہے، میری عقل اور فطرت کو اس سے براہ راست ربط

(بقیہ بر صفحہ ۲۰۳)

امین احسن اصلاحی

اعمال میں اخلاص کی شرط

(صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی روایات)

باب ۳۷۔ سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ وبیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہ ثم قال جاء جبریل علیہ السلام یعلمکم دینکم فجعل ذالک کلہ دینا وما بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم لوفد عبد القیس من الایمان وقولہ تعالیٰ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ

ترجمہ۔۔۔۔ جبریل علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان' اسلام' احسان اور قیامت کے علم کے متعلق سوال اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت۔ اس کے بعد آپ نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اس طرح تمام بیان کو آپ نے لفظ دین میں شامل کیا۔ نیز جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کے وفد کے سامنے ایمان کے بارے میں بیان کیا اس کو بھی دین سے تعبیر کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ "جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین پسند کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا" (سورہ آل عمران: ۸۵)

وضاحت: یہ باب کا عنوان ہے۔ اس میں امام صاحب نے تین مختلف معلقات نقل کی ہیں جن کی مدد سے وہ مرجئہ کے خلاف اپنے مقدمہ کو اس باب میں مدلل کر کے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تعلیق حضرت جبریل علیہ السلام کا آنحضرتؐ سے ایک مکالمہ ہے۔ دوسری عبدالقیس کے وفد کے ساتھ آپؐ کی گفتگو ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے تقاضے بتائے ہیں اور تیسری تعلیق سورہ آل عمران کی آیت ۸۵ ہے جس میں فرمایا گیا کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔

امام صاحب نے ان معلقات کی روشنی میں کہا کہ یہ تمام چیزیں دین ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام آپ لوگوں کو "دین" سکھانے آئے تھے۔ بلاشبہ یہ سب باتیں دین میں شامل ہیں تاہم یہ مکمل دین نہیں ہیں۔

۴۸۔ حدثنا مسدد قال حدثنا اسماعیل بن ابراہیم اخبرنا ابو حیان التیمی عن ابی ذرعۃ عن ابی ہریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارزا یوما للناس فاتاہ رجل فقال ما الایمان قال الایمان ان تومن باللہ وملئکتہ وبلقائہ ورسلہ وتومن بالبعث قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ وتقیم الصلوۃ وتودی الزکوۃ المفروضۃ وتصوم رمضان قال ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک قال متی الساعۃ قال ما المسئول باعلم من السائل وساخبرک عن اشراطہا اذا ولدت الامۃ ربہا واذا تطاول رعاۃ الابل البہم فی البنیان فی خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم تلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیہ ثم ادبر فقال ردوہ فلم یروا شیئا فقال ھذا جبریل جاء یعلم الناس دینھم قال ابو عبداللہ جعل ذلک کلہ من الایمان

ترجمہ ——— ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اللہ کی ملاقات اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ' اور قیامت کے روز اٹھائے جانے پر ایمان لاؤ۔ اس نے پوچھا اسلام کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' نماز قائم کرو' فرض زکوۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے پوچھا احسان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اس طرح کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔ اس نے پوچھا قیامت کب ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ اس کی کچھ نشانیاں بتائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ جب کالے اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنوا کر فخر کریں گے۔ قیامت ان پانچ امور میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر آنحضرتؐ نے (سورہ لقمان کی آخری) آیت تلاوت فرمائی کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ پھر وہ آدمی پیٹھ موڑ کر چل دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اس کو موڑ کر میرے پاس لاؤ تو لوگوں نے کسی کو نہ پایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ آنحضرت نے اس سب کو ایمان میں سے قرار دیا۔

وضاحت: امام بخاریؒ نے باب میں جن تین تعلیقات کا ذکر کیا تھا ان میں سے پہلی تعلیق حدیث جبریل یہاں نقل کی ہے۔ روایت میں ایمان و اسلام کے بارے میں سوال وجواب واضح ہیں۔ اسلام کے ضمن میں حج اور جہاد کا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حج اور جہاد مستقل ارکان اسلام نہیں۔ حج صرف اہل استطاعت پر فرض ہے اور جہاد کا ایک خاص موقع ہوتا ہے۔ جہاد کے لئے جب نفیر عام ہو جائے تب یہ

فرض ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ قیامت کی دو نشانیاں یہاں بیان فرمائی ہیں۔ لونڈی کے اپنے آقا کو جننے کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کی سب اقدار تلپٹ ہو جائیں گی۔ چرواہوں کے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرنے سے شائد یہ اشارہ ہے کہ کمینہ لوگ امیر ہو جائیں گے۔

حضورؐ نے جو آیت تلاوت فرمائی وہ سورہ لقمان کی آخری آیت ہے۔ اس میں پانچ چیزیں گنوائی ہیں جن کا علم صرف خدا کو ہے۔ ان میں قیامت کا علم بھی شامل ہے۔ اس کے بعد جب وہ شخص چل دیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اس کو لوٹاؤ تو لوگوں کو وہ نظر ہی نہیں آیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو سوال وجواب کی صورت میں دین سکھانے آئے تھے۔ اسی واقعہ کی ایک دوسری روایت ☆ میں الفاظ کچھ مختلف ہیں۔ اس کے مطابق جبریل آنحضرتؐ کے جوابات کی تصدیق بھی کرتے رہے۔ آخر میں امام بخاریؒ نے اپنی طرف سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت نے ان تمام باتوں کو ایمان میں سے قرار دیا۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے جو بات فرمائی وہ یہ ہے کہ جبریل دین سکھانے آئے تھے۔ گویا ایمان نہیں بلکہ ایمان کے عملی تقاضے اس حدیث میں بیان ہوئے۔

باب ۳۸: امام صاحب نے اس باب کا عنوان قائم نہیں کیا

۴۹۔ حدثنا ابراہیم بن حمزہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن صالح عن ابن شہاب عن عبید اللہ ان عبداللہ بن عباس اخبرہ قال اخبرنی ابو سفیان بن حرب ان ہرقل قال لہ سالتک ھل یزیدون ام ینقصون فزعمت انھم یزیدون وکذالک الایمان حتی یتم وسالتک ھل یرتد احد سخطۃ لدینہ بعد ان

☆ - یہ دوسری روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور صحیح مسلم نے اس کو لیا ہے۔ اس روایت میں تقدیر کا ذکر بھی ہے اور حج کا بھی۔ اس روایت کی وضاحت تدبر کے اول شمارہ میں خالد مسعود صاحب مرحوم کے قلم سے شائع ہوئی تھی۔ تفصیل کے طالب اس سے رجوع کریں۔ بعض شارحین حدیث نے حدیث جبریل کو حجۃ الوداع کے بعد کے زمانہ کی روایت قرار دیا ہے کیونکہ اس میں دین کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور جب وہ چلے گئے تب آپ کو یہ علم ہوا۔ یہ بھی بلا دلیل بات ہے۔ حضورؐ کے کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کو علم نہ تھا کہ سائل جبریل علیہ السلام ہیں۔ بلکہ قیامت کے متعلق جواب تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ سوال جبریل علیہ السلام کر رہے ہیں۔ بعد میں آپ نے بلا تکلف لوگوں کو بتایا کہ یہ جبریلؑ تھے جو آپ کو دین سکھانے آئے تھے۔

شارحین حدیث نے اور بھی بہت سے لطیف نکتے پیدا کئے ہیں جن سے تعرض کو ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

(مرتب)

یدخل فیہ فزعمت ان لا وکذالک الایمان حین تخالط بشاشتہ القلوب لا یسخطہ احد۔

... عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان کو ابو سفیان بن حرب نے بتایا کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے اس سے کہا کہ میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ کیا مسلمانوں کو تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے تو تم نے جواب دیا کہ وہ زیادہ ہو رہے ہیں، تو ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب تک کہ وہ پورا نہ ہو جائے۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو برا جان کر اس سے پھر جاتا ہے۔ تم نے کہا کہ نہیں، تو ایمان کی لذت کا یہی حال ہوتا ہے جب وہ دل میں اتر جاتی ہے۔ کوئی اس سے دل برداشتہ نہیں ہوتا۔

وضاحت:

یہ روایت اس بڑی روایت کا ایک ٹکڑا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب ملنے پر شاہ روم ہرقل کے ابوسفیان کے ساتھ مکالمہ سے متعلق ہے۔ پیچھے کتاب الوحی میں اس کی ضروری وضاحت ہو چکی ہے۔

یہاں پر اس روایت کو امام بخاریؒ اس وجہ سے لائے ہیں کہ اس میں ہرقل نے ایمان کے کم یا زیادہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ہرقل ایک مدبر بادشاہ تھا۔ بلاشبہ اس نے ابوسفیان سے بہت ہی حکیمانہ سوالات کئے اور ابوسفیان کے جوابات کا نہایت فلسفیانہ تجزیہ کیا۔ لیکن ہرقل کی باتیں مسلمانوں کے لئے حجت تو نہیں اور نہ ہی یہ روایت فنی طور پر حدیث ہے۔ بس ایک تاریخی روایت ہونے کے لحاظ سے اس کا اپنا ایک مقام ہے۔ لہٰذا اصولاً امام صاحب کو یہاں اس سے استدلال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس استدلال کے لیے بہت سا مواد خود ذخیرہ حدیث میں موجود ہے جس سے امام صاحب اپنا موقف ثابت کرتے آرہے ہیں۔

باب ۳۹: فضل من استبرا الدینہ

(اس شخص کی فضیلت جو اپنے دین پر قائم رہنے کے لئے گناہ سے بچے)

۵۰۔ حدثنا ابو نعیم حدثنا زکریا عن عامر قال سمعت نعمان ابن بشیر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحلال بین و الحرام بین و بینھما مشتبہات لا تعلمھا کثیر من الناس فمن اتقی المشتبہات استبرا الدینہ و عرضہ و من وقع فی الشبہات کراع یرعی حول الحمی یوشک ان یواقعہ الا وان لکل ملک حمی الا ان حمی اللہ فی ارضہ محارمہ الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب

... نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے لیکن ان کے درمیان بعض شبہ کی چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جو بھی ان مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو ان مشتبہات میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو اپنا گلہ شاہی چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے۔ قریب ہے کہ گلہ چراگاہ میں گھس جائے۔ سن لو ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ سن لو کہ اللہ کی محفوظ کی ہوئی چراگاہ اس زمین پر اس کے محارم ہیں۔ اور جسم میں ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو تو تمام جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ دل ہے۔

وضاحت:

یہ بڑی پر حکمت روایت ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حقیقی حلال اور حقیقی حرام کا علم واضح طور پر عطا فرمایا ہے۔ یہ انسان کی فطرت میں بھی ہے اور انبیاء پر اتاری گئی وحی کی تعلیم میں بھی موجود ہے۔ لیکن احوال و افعال کی شکلیں چونکہ لاتعداد ہیں اس لیے ان کے اوپر حرام یا حلال کا حکم لگانے میں بسا اوقات شبہ ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بعض چیزوں کے متعلق زیادہ گمان ان کے حلال ہونے کا ہوتا ہے اور بعض حرام سے زیادہ مشابہ ہوتی ہیں۔ ان مشتبہ چیزوں کے بارے میں یہ طرز عمل صحیح نہیں کہ آدمی ان سے فائدہ اٹھانے میں آزاد ہو جائے بلکہ دین کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف واضح حرام افعال اور واضح حرام

چیزوں سے بچے بلکہ جن چیزوں کی نوعیت حرام سے مشابہ کی ہے ان سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔

دوسری روایت میں اس بارے میں یہ رہنما اصول بھی بیان فرمایا کہ "دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔ (جو چیز دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دے اور اس کو اختیار کر جو دل کو نہ کھٹکے)۔ جب آدمی کا قلب سلیم ہو تو اس کا نفس لوامہ جو انسان کو اس کی غلطیوں پر خبردار کرنے کے لیے ہی رکھا گیا ہے ایک مشتبہ کام کے بارے میں فیصلہ کر دیتا ہے کہ وہ کام درست نہیں۔ یہ چیز مشتبہات سے بچنے میں بڑی مدد دیتی ہے اور اسی سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔ حدیث میں چرواہے کی مثال کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر محارم سے بچنا چاہے تو اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان کے قریب ہی نہ پھٹکے بلکہ ایسے طریقے بھی اختیار کرے جو محارم کی حدود تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اسی بنا پر دین کے بہت سے احکام صرف "سد للذریعہ" کی نوعیت کے ہیں یعنی ان کے ذریعے محرمات کی جانب لے جانے والے راستوں کو بند کیا گیا ہے مثلاً پردے کے احکام اسی نوعیت کے ہیں۔

جسم کے اندر دل انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے۔ دل میں جب کوئی غلط یا صحیح بات جم جاتی ہے تو اس کو کر گزرنے میں تمام تدابیر بروئے کار لاتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دل کو ہی تمام ہدایت اور گمراہی کا منبع قرار دیا گیا ہے۔

چونکہ دل کا نیت اور ارادے کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ دل کو درست رکھو۔ دل کا فساد تمام اعمال کو بگاڑ دینے کا باعث ہو گا۔

باب ۴۰: اداء الخمس من الایمان

(غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ دینا ایمان کا تقاضا ہے)

۵۱۔ حدثنا علی بن الجعد قال اخبرنا شعبہ عن ابی جمرہ قال کنت اقعد مع ابن عباس فیجلسنی علی سریرہ فقال اقم عندی حتی اجعل لک سہما من مالی فاقمت معہ شہرین ثم قال ان وفد عبدالقیس لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من القوم او من الوفد قالوا ربیعہ قال مرحبا بالقوم او بالوفد غیر خزایا ولا ندامی فقالوا یا رسول اللہ انا لا نستطیع ان ناتیک الا فی الشہر الحرام بیننا و بینک ھذا الحی من کفار مضر فمرنا بامر فصل نخبرہ من ورآءنا و ندخل بہ الجنۃ و سالوہ عن الاشربۃ فامرھم باربع و نھاھم عن اربع امرھم بالایمان باللہ وحدہ قال اتدرون ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان

محمدا رسول اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس و نھاھم عن الحنتم والدباء والنقیر والمزفت وربما قال المقیر وقال احفظوھن واخبروا بھن من ورآءکم۔

■ ...ابی جمرہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ وہ مجھے اپنے پلنگ پر بٹھا لیا کرتے۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ قیام کرو تاکہ میں اپنے مال میں سے کچھ حصہ دوں تو میں ان کے پاس دو ماہ رہا۔ پھر انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدالقیس کا وفد آیا۔ جب وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے پوچھا کون لوگ ہیں۔ (راوی کو شبہ ہے کہ قوم کہا یا وفد کہا) انہوں نے کہا ہم ربیعہ قبیلے کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "مرحبا غیر خزایا ولا ندامی"۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس صرف محترم مہینوں میں ہی آ سکتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے درمیان کفار قریش کا قبیلہ مضر حائل ہے۔ لہذا ہمیں کچھ قطعی باتیں بتا دیجیے کہ ہم اپنے لوگوں کو جو ہمارے پیچھے ہیں ان سے باخبر کریں اور ان کے ذریعے سے ہم جنت حاصل کریں۔ انہوں نے اسی سلسلے میں مشروبات کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے ان کو اللہ واحد پر ایمان کا حکم دیا۔ پھر ان سے پوچھا کہ تم اللہ واحد پر ایمان لانے کا مطلب سمجھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا اس کا مطلب یہ شہادت دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اعمال میں نماز کا اہتمام اور زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنے ہوں گے اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ حکومت کو پیش کرنا ہو گا۔ پھر آپ نے ان کو حنتم، دباء، نقیر اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا۔ (راوی نے کبھی کبھی نقیر کے بجائے مقیر کا نام لیا)۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں کو یاد کر لو اور اپنی قوم کے ان لوگوں کو بھی اس سے آگاہ کرو جو تمہارے پیچھے ہیں۔

وضاحت:

"خمس" مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کو خمس کہتے ہیں۔ سورۃ انفال میں یہ حکومت کا حصہ

مقرر کیا گیا ہے۔ جو اس میں چوری کریں گے وہ خائن قرار پائیں گے۔

"مرحباً غیر خزایا ولا ندامیٰ" ۔ یہ اھلاً و سھلاً کی طرح کے خیر مقدم کے کلمات ہیں۔ جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں مروج تھے۔ ایسے کلمات کو لفظی مفہوم میں نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ ان کو لغت سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ بس ایک طرح کی اصطلاح بن جاتی ہے۔

"بیننا و بینک ھذا الحی من کفار مضر" وفد کے ارکان نے آپؐ کے پاس اکثر نہ آسکنے کی یہ وجہ بتائی کہ اگر وہ اشہر حرم کے علاوہ ادھر آئیں تو عین ممکن ہے کہ قبیلہ مضر کے کفار ان کو لوٹ لیں۔ اشہر حرم کے علاوہ یہ لوگ غارت گری کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو چند جامع اور قطعی باتیں بتادی جائیں جو ہماری نجات کے لیے ضروری ہیں۔

"حنتم" اس شراب کو کہتے تھے جو کھجور کی لکڑی کو کھوکھلا کر کے اس کے اندر بنائی جاتی تھی۔

"مزفت" اس شراب کو کہتے تھے جو ایسے برتنوں میں تیار کی جاتی جن کے اوپر تارکول لیپ کر کے ان کے مسام بند کر دیے جاتے تاکہ اس میں خمیر جلدی اٹھ جائے۔ اسی طرح نقیر اور دبا بھی شراب تیار کرنے والے برتنوں کی رعایت سے معروف شرابیں تھیں۔ کسی میں خمار کم کسی میں زیادہ ہوتا تھا۔ مشروبات کے متعلق سوال کے جواب میں آنحضرت نے مشروبات میں سے حنتم، دباء نقیر اور مزفت کو ناجائز قرار دیا۔ کیونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ مشروب اگر زیادہ دیر ان برتنوں میں پڑا رہے تو زیادہ نشہ آور ہو جائے گا۔

یہ احکام گناہ کا ذریعہ بند کرنے کے لیے دیے گئے۔ اسلام میں یہ اصول ہے کہ جو چیزیں گناہ کا ذریعہ بن سکتی ہیں وہ بھی ممنوع قرار دے دی جاتی ہیں اگرچہ وہ بجائے خود گناہ نہیں ہوتیں۔ پھر جب لوگوں پر واضح ہو گیا کہ جو چیز مسکر ہے وہ حرام ہے خواہ گندم یا جو سے تیار کی جائے یا انگور اور کھجور ہے۔ تو آپ نے مذکورہ برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں سے سوال کیا کہ اللہ واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ گفتگو کا یہ مؤدبانہ انداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے آداب میں سے تھا۔ جب بھی آنحضرتؐ کوئی سوال پوچھتے تھے تو صحابہ کرام معاملہ آپؐ کو تفویض کرتے تھے۔ وہ اپنی رائے ظاہر کرنے کی بجائے یہ چاہتے کہ معلوم کریں کہ حضورؐ کیا فرماتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں بتائی ہیں وہ دین پر کوئی جامع خطبہ نہیں بلکہ سائل کے سوال کے مطابق ہیں۔ دین میں اصولی بات جو کرنے کی تھی وہ آپؐ نے بتادی اور اپنے مشروبات کے بارے میں وفد کے لوگ جو کچھ زیادہ تفصیل چاہتے تھے اور جن کے متعلق ان کو اضطراب تھا اس کی وضاحت

آپؐ نے برتنوں کے نام لے کر کر دی۔

جن چار چیزوں کا آپ نے حکم دیا اس میں نماز، زکوٰۃ، ماہ رمضان کے روزے اور خمس شامل تھا۔ اس میں حج کا حکم نہیں تھا کیونکہ حج کا حکم فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ دین کی اصولی باتیں ظاہر ہے کہ ساری ایک دفعہ تو نہیں بتائی جا سکتیں۔

(ترتیب : سعید احمد)

بقیہ : تفسیر سورہ ھود (۱)

ہے کہ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اور میرا رب تمہاری جگہ اب تمہارے سوا کسی اور قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے○ اور جب ہمارا عذاب آ دھمکا ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل خاص سے نجات بخشی اور ہم نے ان کو ایک نہایت ہی سخت عذاب سے بچایا○ ۵۸

اور یہ قوم عاد ہے۔ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جبار و سرکش کی بات کے پیچھے لگے○ اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے روز بھی ہے۔ سن لو کہ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سن لو کہ ہلاکی ہو ہود کی قوم عاد کے لیے۔○ ۶۰

ہے۔ یعنی رسول کی نافرمانی اور اپنے سرکش اور ضدی لیڈروں کی اطاعت کی بدبختانہ روش کا انجام یہ ہوا کہ اس دنیا میں بھی وہ رحمت خداوندی سے محروم رہے اور آخرت میں بھی یہ لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی۔

عدالتی طریق کار

(موطا امام مالک کی کتاب الاقضیہ کی روایات)

قضاء بالیمین مع الشاهد

گواہ کے ساتھ قسم کو ملا کر فیصلہ

قال یحیی قال مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالیمین مع الشاهد، وعن مالک عن ابی الزناد ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن الخطاب وھو عامل علی الکوفۃ ان اقض بالیمین مع الشاهد وحد ثنی مالک انہ بلغہ ان اباسلمۃ بن عبدالرحمن وسلیمان بن یسار سئلا ھل یقضی بالیمین مع الشاهد؟ فقالا نعم. قال مالک : مضت السنۃ فی القضاء بالیمین مع الشاهد الواحد یحلف صاحب الحق مع شاهده ویستحق حقہ، فان نکل وابی ان یحلف احلف المطلوب، فان حلف سقط عنہ ذلک الحق، فان ابی ان یحلف ثبت علیہ الحق لصاحبہ۔

■ . . . جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمے کا فیصلہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ بھی کیا۔ امام مالک ابی الزناد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب کو جو کوفہ کے عامل تھے یہ لکھا کہ مقدمے کا فیصلہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ کر دیا کرو۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن اور سلیمان بن یسار سے پوچھا گیا کہ کیا ایک گواہ اور قسم کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ ہو سکتا ہے تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہاں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ مقدمات کے فیصلے کے بارے میں یہ طریقہ طے ہے کہ مدعی اپنے ایک گواہ کے ساتھ قسم کھائے گا اور وہ اپنے حق کا مستحق بن جائے گا اور اگر وہ انکار کرے اور قسم نہ کھائے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم کھانے تو اس سے حق ساقط ہو جائے گا۔ اگر انکار کرے تو اس کے اوپر مدعی کا حق

ثابت ہو جائے گا۔

وضاحت:

یہ روایت ایک بالکل نیا اصول عدل بیان کر رہی ہے۔ اس کی رو سے کسی مقدمہ میں کوئی دعویٰ لے کر آپ عدالت میں جاتے ہیں، آپ کے ہمراہ ایک گواہ ہے، عدالت دوسرا گواہ مانگتی ہے لیکن وہ آپ پیش نہیں کرتے۔ اس روایت کی رو سے عدالت آپ کو یہ موقع دے گی کہ آپ قسم کھائیں اور یہ قسم دوسرے گواہ کے قائم مقام ہو جائے گی۔ یہ نیا اصول عدل قرآن مجید میں متعارف نہیں کرایا گیا ہے۔

احناف اس کے مخالف ہیں۔ ان کی دلیلوں میں سے یہ بات مجھے پسند آئی کہ یہ بات قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں شہادت کے لئے دو مرد گواہ مقرر کئے گئے ہیں۔ اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں ایک مرد کی قائم مقام ہوں گی۔ مالکیہ وغیرہ سب روایت کے مضمون پر متفق ہیں اور انہوں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف منسوب کی ہے۔

احناف کی دلیل کا ایک بہت نادر نکتہ یہ ہے کہ قسم کو قرآن نے بھی اور حدیث نے بھی جو تسلیم کیا ہے وہ صرف مدعا علیہ کی طرف سے کیا ہے نہ کہ مدعی کی طرف سے۔ حدیث میں آیا ہے البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔ جس سے مراد یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے شہادت پیش کرے گا اور مدعا علیہ کے پاس اگر کوئی گواہ یا کوئی دلیل نہیں تو وہ قسم کھائے گا۔ گویا یہ کمزور کو ایک ہتھیار دیا گیا ہے جس کو وہ بصورت مجبوری استعمال کر سکتا ہے۔ روایت زیر بحث یہ ہتھیار مدعی کو پکڑا دیتی ہے۔ میرے نزدیک احناف کا یہ نکتہ بہت مضبوط ہے۔ قسم صرف مدعا علیہ کا ہتھیار ہے مدعی کا نہیں۔ مدعی کے لئے بینہ ضروری ہے اور بینہ کے معنی ہیں شہادت، قرینہ، دلیل جو وہ پیش کرے گا۔ عدالت اس کی روشنی میں اس کے دعویٰ کو جانچ کر فیصلہ کرے گی۔

مالکیہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کی ایک اور کمزوری بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اصول صرف مالی معاملات میں لاگو ہو گا اور دوسرے جتنے بھی معاملات ہیں مثلاً حدود، نکاح، طلاق، عتاق، سرقہ، فریہ وغیرہ ان میں لاگو نہیں ہو گا۔ اس کے لاگو نہ ہونے کا سبب بیان نہ کرنا ان کے موقف کو کمزور کرتا ہے۔ یہ سب معاملات بے حد خطرناک ہیں۔ اگر یہ ہتھیار آپ ان معاملات میں مدعی کو پکڑا دیں تو زنا، حد اور قتل وغیرہ میں غضب ہی ہو جائے گا۔

میں احناف کے موقف کو مضبوط پاتا ہوں اور اس روایت کے تصور عدل کو صحیح نہیں سمجھتا۔

القضاء فی الدعویٰ

(دعوے میں فیصلہ کا اصول)

قال یحییٰ قال مالک عن حمید بن عبدالرحمن المؤذن انہ کان یحضر عمر بن عبدالعزیز وھو یقضی بین الناس۔ فاذا جاء الرجل یدعی علی الرجل حقاً نظر فان کانت بینھما مخالطۃ او ملابسۃ احلف الذی ادعی علیہ، وان لم یکن شیئی من ذالک لم یحلفہ۔

■ ۔۔۔ حمید بن عبدالرحمن المؤذن کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس اس وقت موجود رہتے جب وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے۔ اگر حضرت عمر کے پاس کوئی ایسا شخص آتا جو کسی دوسرے شخص کے خلاف حق کا دعویدار ہوتا تو وہ غور کرتے۔ اگر دیکھتے کہ ان دونوں کے درمیان معاملہ تجارت یا کاروبار وغیرہ کا ہے تو وہ مدعا علیہ سے قسم لیتے اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہوتی تو پھر قسم نہ لیتے۔

وضاحت:

قسم کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ کوئی اصولی چیز نہیں ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہے جب گواہ یا دوسری شہادت اور قرائن موجود نہ ہوں۔ قسامہ کا قانون بھی یہی ہے کہ اگر ایک علاقے میں قتل ہوگیا ہے اور کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ قاتل کون ہے، کوئی قرینہ بھی نہیں ہے، مقتول کے اولیاء کچھ پتہ نہیں دے رہے ہیں، قاتل کا کوئی نشان نہیں ہے تو ایسی مشکل میں اسلام میں بھی اور قدیم مذاہب میں بھی یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگوں سے قسم لیتے تھے۔ اسی کو قسامہ کہتے ہیں۔ اس کے لئے قدیم زمانے سے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔ مثلاً قربانی کے جانور ذبح کرکے اس کے گوشت پر یا معبدوں کے پاس کھڑا کرکے قسم لیتے رہے ہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ قسم کھانے پر کسی شریف آدمی کو مجبور کرنا اس کی بڑی بے وقعتی ہے۔ اول تو یہی مطالبہ بڑی سنگین چیز ہے کہ قسم کھایئے کہ آپ سچ کہیں گے۔ یہ غیرت مند انسان کی غیرت کے خلاف بات ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دفعہ قسم کھانے کو کہا گیا تو انہوں نے ایک فروخت شدہ غلام واپس لے لیا لیکن قسم کھانا گوارا نہ کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا معمول یہ نہیں تھا کہ مقدمہ آیا اور جھٹ سے مدعا علیہ سے مطالبہ کردیا

کہ قسم کھاؤ بلکہ غور فرماتے۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی تجارت یا لین دین کا معاملہ رہا ہوتا تب قسم لیتے تھے۔ اگر کوئی معاملہ ہی نہ رہا ہوتا تو قسم کا سوال ہی نہ تھا۔

القضاء فی شہادۃ الصبیان

(بچوں کی شہادت کے متعلق کیا فیصلہ ہے)

قال یحییٰ قال مالک عن ھشام بن عروہ ان عبداللہ بن زبیر کان یقضی بشہادۃ الصبیان فیما بینھم الجراح۔

■ ۔۔۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ بچوں کی آپس کی مار پیٹ کا فیصلہ ان کی شہادت پر کرتے تھے۔

وضاحت:

اگر بچوں کی لڑائی کا مقدمہ بن جاتے تو ظاہر ہے اس میں بچوں کی شہادت قبول کرنی پڑے گی، ورنہ قانون شہادت کی رو سے بچوں کی شہادت قابل قبول نہیں۔ یہ شہادت انہی کے آپس کے جھگڑے کو نمٹانے کے لئے قبول ہوگی نہ کہ بڑوں کے خلاف۔ امام مالک یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ جس جگہ بچوں کے درمیان جھگڑا ہوا ہو وہاں سے ان کے ملنے سے پہلے پہلے ان کی گواہی معتبر ہوگی تاکہ بڑے ان کو سکھا پڑھا کر ان کا بیان تبدیل نہ کرچکے ہوں۔ لہٰذا اگر وہ جھگڑے کے مقام سے الگ ہوجائیں تو ان کی شہادت معتبر نہیں ہوگی۔ ہاں اگر موقع پر انہوں نے عادل لوگوں کو اپنی شہادت پر گواہ بنالیا ہو تو بڑوں کی گواہی ضمناً قابل قبول ہوگی۔ یہ بجائے خود حجت نہ ہوگی بلکہ اس کے حق میں قرائن ہونے چاہئیں۔

ماجاء فی الحنث علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(منبر رسولؐ پر جھوٹی قسم کھانے کے متعلق)

قال یحیی: حدثنا مالک عن ھشام بن ھشام بن عتبۃ بن ابی وقاص عن عبداللہ ابن نسطاس عن جابر بن عبداللہ الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من حلف علی منبری آثما تبوا مقعدہ من النار۔

■ ۔۔۔جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

<u>وضاحت</u>:

اس کی وضاحت اگلے باب میں آرہی ہے۔

وحدثنی مالک عن العلاء بن عبدالرحمن عن معبد ابن کعب السلمی عن اخیہ عبداللہ بن کعب بن مالک الانصاری عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من اقتطع حق امری مسلم بیمینہ حرم اللہ علیہ الجنۃ واوجب لہ النار، قالوا وان کان شیئاً یسیرا یارسول اللہ۔ قال وان کان قضیبا من اراک، وان کان قضیبا من اراک، وان کان قضیبا من اراک قالھا ثلاث مرات۔

■ ۔۔۔ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلم کا اپنی قسم کے ذریعے سے حق مارا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام اور دوزخ کو واجب کردے گا۔ لوگوں نے کہا حضور، اگر حقیر چیز ہو تب بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جی، اگر پیلو کی مسواک بھی ہو تب بھی اور یہ تین مرتبہ فرمایا۔

<u>وضاحت</u>:

اس روایت کے متعلق ہمارے علماء حضرات نے بڑا اختلاف کیا ہے۔ وہ اس سوال کی طرف نکل گئے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ معمولی سی مسواک کے باعث اللہ تعالیٰ بندے کے اوپر دوزخ واجب کردے اور جنت سے اس کو محروم کردے۔ انہوں نے اس معارضے کا جواب دینے کی کوشش میں بحث کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

میرے نزدیک یہ بات بالکل صحیح ہے۔ اس میں اصلی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ حدیث میں چھوٹی سی چیز پر بڑے عذاب کی اطلاع دی گئی ہے بلکہ سارا زور قسم پر ہے جو بعض حالات میں جب شاہد اور قرائن اور دوسرے دلائل موجود نہ ہوں، عدل کا واحد ذریعہ ہوتی ہے۔ اللہ کی قسم کو کسی مسلمان کا حق مارنے کا ذریعہ بنانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مچھر مارنے کے لئے توپ داغ دے۔ جب قسم اتنی بڑی اہمیت کی چیز ہو کہ معاملات میں فیصلہ کا واحد ذریعہ قرار پائے تو اس کو معمولی چیزوں کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک چھوٹی سی چیز، خواہ وہ مسواک ہی ہو، کو ہڑپ کرنے کے لئے اگر کسی مسلمان نے خدا کی قسم کو ذریعہ بنایا تو اس سے بڑھ کر اس کی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اتنے بڑے گناہ کی سزا جنت سے محرومی اور دوزخ کا واجب ہونا ہی صحیح ہے۔

جامع ماجاء فی الیمین علی المنبر

(منبر پر قسم کے بارے میں جامع باب)

قال یحیی قال مالک عن داؤد ابن الحصین انہ سمع ابا غطفان بن طریف المری یقول اختصم زید بن ثابت الانصاری وابن مطیع فی دار کانت بینھما الی مروان بن الحکم وھو امیر علی المدینۃ فقضی مروان علی زید بن ثابت بالیمین علی المنبر، فقال زید بن ثابت احلف لہ مکانی۔ قال فقال مروان لا واللہ الا عند مقاطع الحقوق۔ قال فجعل زید بن ثابت یحلف انہ حقہ لحق ویابی ان یحلف علی المنبر۔ قال فجعل مروان بن الحکم یعجب من ذالک۔ قال مالک لا اری ان یحلف احد علی المنبر علی اقل من ربع دینار و ذالک ثلاثۃ دراھم۔

■ ۔۔۔داؤد بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں نے غطفان بن طریف المری سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ زید بن ثابت انصاریؓ اور ابن مطیع کے درمیان ایک مکان کے بارے میں، جس میں دونوں حصہ دار تھے، جھگڑا ہوگیا اور وہ مقدمہ مروان بن الحکم، جو مدینے کا امیر تھا، کے پاس لے گئے۔ مروان بن الحکم نے فیصلہ کیا کہ زید بن ثابت منبر پر قسم کھائیں۔ زید بن ثابت نے کہا کہ میں اپنی جگہ پر ہی قسم کھا لیتا ہوں۔ مروان بن حکم نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم آپ کو اس جگہ پر قسم کھانی پڑے گی جو حقوق کے فیصلوں کا مقام ہے۔ زید بن ثابت قسم کھانے لگے کہ حق میرا ہے اور میں قسم کھا رہا ہوں لیکن منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا۔ مروان کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ امام مالک کہتے

ہیں کہ میرا خیال ہے کہ منبر پر ربع دینار سے کم قیمت کی چیز کے بارے میں قسم نہیں لی جا سکتی۔ اور یہ تین درہم ہوتے ہیں۔

وضاحت:

حلف اٹھوانے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور یہ عدالت کے پاس ان صورتوں میں فیصلہ کا ایک ذریعہ ہے جب گواہ اور ثبوت موجود نہ ہوں۔ منبر پر قسم لینا قسم کو مغلظ کرنے کے لئے تھا اور مروان نے اسی لئے حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کا تقاضا کیا اور وہ برابر اس کا انکار کرتے رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو قسم کھانا ہی بڑا مرحلہ ہے۔ پھر قسم جب منبر نبوی پر کھائی جائے تو یہ چو آتشہ ہو جائے گی۔ اسی لئے اس روایت میں جو پیچھے گزری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص منبر پر جھوٹی قسم کھائے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ قسم کو مغلظ کرنے کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں۔

امام مالک کہتے ہیں کہ ربع دینار یا تین درہم سے کم قیمت کی چیز کے بارے میں منبر پر قسم نہیں لی جا سکتی۔ بعض فقہا نے قیمت اس سے بڑھا دی ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ عدالت کو یہ حق ہی نہیں کہ قسم اٹھوانے کے لئے کسی کو منبر پر لے جائے۔ شریعت میں صرف قسم ہے، اس کو مغلظ کرنے کا حکم نہیں۔ یہ بعد کی بدعت ہے۔ ایمان جتنا کم ہوتا گیا قسم کو اتنا ہی زیادہ مغلظ کرنا شروع کر دیا گیا۔ صدر اول میں جب دینی غیرت اور ایمان تھا لوگ سادہ قسم بھی اٹھانے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آیا ہے کہ انہوں نے ایک غلام بیچا۔ خریدار نے دعویٰ کیا کہ اس میں عیب نکلا ہے جس کا پہلے معلوم نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا گیا کہ قسم کھائیں کہ وہ اس سے لاعلم تھے۔ انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور غلام واپس لے لیا جو بعد میں پہلے سے بھی زیادہ قیمت پر فروخت ہوا۔

قسم کھانا بہرحال اچھی بات نہیں ہے۔ بس ایک مجبوری ہے اور جائز ہے لیکن اس کو دو آتشہ کرنا بدعت ہے۔ لہٰذا قرآن اٹھوا کر قسم لینا اور مسجد میں جا کر قسم لینا سب جہالت ہے۔ میرے نزدیک احناف کی یہ بات بہت معقول ہے کہ تغلیظ یمین جائز نہیں۔

مالا یجوز من غلق الرہن

(رہن کے ضبط کا جواز نہ ہونے کے بارے میں)

قال یحییٰ: حدثنا مالک عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یغلق الرہن۔ قال مالک: و تفسیر ذالک فیما نری واللہ اعلم ان یرہن الرجل الرہن عند الرجل بالشئی، وفی الرہن فضل عما رہن فیہ، فیقول الراہن للمرتہن ان جئتک بحقک الی اجل یسمیہ لہ والا فالرہن لک بما رہن فیہ۔ قال فہذا لا یصلح ولا یحل، وہذا الذی نہی عنہ، وان جاء صاحبہ بالذی رہن بہ بعد الاجل فہو لہ، واری ہذا الشرط منفسخا۔

■ ۔۔امام مالک ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رہن ضبط نہیں کیا جائے گا۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھے اور رہن اس رقم سے زیادہ کا ہو جو رہن کے بدلے میں دی گئی ہے، پھر راہن اس شخص سے جس کے پاس رہن رکھ رہا ہے یہ کہے کہ اگر میں مقررہ مدت تک تمہارا حق ادا کروں تو یہ چیز میری ہے ورنہ یہ رہن آپ کا ہو گا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ یہ معاملہ جائز نہیں، حلال نہیں۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر قرض لینے والا قرض کی رقم جس کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے مدت گزرنے کے بعد بھی واپس کرے۔ تو رہن واپس لینا اسی کا حق ہے۔ میرے نزدیک مذکورہ شرط فسخ متصور ہو گی۔

وضاحت:

جاہلیت میں یہ بات تھی کہ مدت مقررہ کے بعد اگر راہن رقم ادا کرتا تو مرتہن کو حق ہوتا تھا کہ چاہے رہن شدہ چیز ضبط کرے یا زیادہ رقم کا مطالبہ کرے اور یہی سود تھا۔ یہ بات اسلام نے ختم کر دی۔ پس نہ ہی رہن ضبط ہو سکتا ہے اور نہ ہی مدت مقررہ کی شرط لگانا درست ہے۔

رہن رکھنا صرف مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ اگر قرض دینے والا رہن رکھتا ہے تو وہ شرافت کے خلاف کام کرتا ہے۔ رہن کو ہڑپ کرنے کے لئے کوئی تدبیر نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ یہ رویہ بالکل بیہودیت ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ رہن کی صورت وہاں اختیار کی جائے جہاں قرض لکھنے کے لئے کاتب میسر نہ ہو۔ جہاں قرض کی تحریر کا موقع ہو وہاں رہن مقبوضہ کی اجازت نہیں۔ یہ تو صرف سفری مجبوریوں کی بنا پر جائز ہے۔ جیسے ہی یہ مجبوریاں ختم ہو جائیں رہن شدہ چیز لوٹا دی جائے۔ رہن ایک عارضی چیز ہے اس سے کسی کو فائدہ اٹھانے کا حق نہیں۔

(ترتیب: سعید احمد)

حذف (۳)

حذف مضاف:

مضاف کے حذف ہونے کا اسلوب قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس کی کئی شکلیں ہیں۔ لیکن یہ حذف بھی ہوتا اسی جگہ ہے جہاں قرینہ موجود ہو اور اس کی وضاحت کے بغیر بھی قاری کا ذہن اس کی طرف منتقل ہو سکتا ہو۔ اس صورت میں کلام کو خواہ مخواہ بوجھل بنانے کے بجائے حذف کا بائدہ اٹھا کر کلام کو چست بنا دیا جاتا ہے۔ اب مثالیں ملاحظہ ہوں۔

الف۔ بستیوں اور گروہوں سے پہلے لفظ اھل کا حذف:

۱۔ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ھود ۸۴)

"اور مدین (کے باشندوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب (کو بھیجا)"۔

ظاہر ہے کہ پیغمبر کی بعثت کسی بستی کے در و دیوار کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہاں رہنے والے لوگوں کی طرف ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی غایت درجہ وضاحت کے باعث یہاں مدین کا مضاف۔ اھل۔ حذف کر دیا گیا ہے۔

۲۔ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا (یوسف ۸۲)

"آپ اس بستی (کے لوگوں) سے پوچھ لیجیے جس میں ہم رہتے ہیں اور اس قافلے (والوں) سے پوچھ لیجیے جس میں ہم آئے ہیں"۔

یہاں بھی القریہ اور العیر دونوں سے پہلے ان کا مضاف اھل۔ حذف ہو گیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر پوچھا جائے گا تو بستی کے باشندوں سے اور کسی قافلہ کے شرکاء سے پوچھا جائے گا۔ یہاں بھی مضاف غایت درجہ واضح ہے۔ اس کو الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ب۔ متعلقات کا حذف:

بسا اوقات اصلاً کسی شے کے متعلقات کا ذکر مقصود ہوتا ہے لیکن ان کے بجائے اس شے کا ذکر کر دینا کافی سمجھا جاتا ہے کیونکہ قاری خود ہی کلام کے خلا کو بھر لیتا ہے۔ لہٰذا یہ متعلقات جو کلام میں اس شے کے مضاف کی جگہ پر ہوتے ہیں حذف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا (مریم ۴)

"اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا"

یہاں بڑھاپے سے سر نہیں بلکہ سر کے بال سفید ہو کر بھڑک اٹھنے کا بیان ہے لیکن ترکیب شعر الراس میں سے لفظ شعر (بال) کو حذف کر دیا گیا۔

۲۔ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (بقرہ ۹۳)

"ان کے کفر کے سبب سے بچھڑے (کی پرستش) ان کے دلوں میں رچ بس گئی"

یہود کے دلوں میں بچھڑے کا وجود رچ بس نہیں گیا تھا بلکہ سامری نے اس کا جو بت بنایا اس کی محبت یا اس کی پرستش بنی اسرائیل کے دلوں میں ڈال دی گئی تھی۔ لہٰذا یہاں العجل کا مضاف۔۔۔۔ حب یا عبادت۔ حذف کر دیا گیا۔

۳۔ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ (حشر ۵)

"جو کچھ اللہ بستیوں والوں (کے مالوں) میں سے اپنے رسول کی طرف لوٹائے تو وہ اللہ کا ہے۔۔۔"

اس آیت میں مال فے کی تقسیم کا حکم ہے۔ مال فے وہ مال ہے جو اہل ایمان کو اپنے دشمنوں سے اس صورت میں ہاتھ آتا ہے جب ان سے لڑائی کی نوبت نہ آئے۔ فے میں باشندے ہاتھ نہیں آتے بلکہ ان کا مال ہاتھ آتا ہے۔ لیکن آیت میں صرف اہل القریٰ آیا ہے۔ حقیقت میں اس لفظ سے پہلے لفظ "اموال" جو اہل القریٰ کا مضاف تھا حذف کر دیا گیا ہے۔

۴۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا (کہف ۲۱)

ہم ان (کے غار) پر ایک مسجد بنائیں گے"

اس آیت کا تعلق اصحاب کہف سے ہے۔ جب علاقے کے لوگ اصحاب کہف کی اصلیت سے آگاہ ہوئے تو ان کو ان سے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے ان کے غار پر کوئی یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس بارے میں لوگوں میں بحث ہوئی کہ یادگار کون سی ہو۔ ان میں سے ایک گروہ نے یہ اعلان کیا کہ ان نیک لوگوں کے غار پر ہم ضرور ایک مسجد تعمیر کریں گے۔ آیت میں

علیھم (ان پر) سے مراد علی کھفھم (ان کے غار پر) ہے۔ کہف کا لفظ جو "ھم" کا مضاف ہے، محذوف ہے۔

۵۔ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل ۷۴۔۷۵)

"اور اگر ہم نے تم کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ جھک پڑو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تم کو زندگی اور موت دونوں کا دوگنا (عذاب) چکھاتے"۔

یہاں اصل میں ضعف عذاب الحیوۃ و ضعف عذاب الممات مراد ہے لیکن عذاب کا لفظ دونوں جگہ حذف ہو گیا ہے کیونکہ یہ قرینہ سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۶۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدۃ ۴۱)

"وہ کلام کو اس کے موقع و محل (کی وضاحت) کے بعد بھی اس کے محل سے ہٹا دیتے ہیں"

یہاں مواضع ؓ کا مضاف۔ وضوح۔ حذف ہو گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہود کے ایجنٹ شرارت کے لیے کلمات کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹا کر بالکل دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب واضح کیا جا چکا ہے۔

ج۔ مضمون کی وسعت باقی رکھنے کے لئے حذف:

مضاف کو جب الفاظ میں بیان کر دیا جائے تو جملے کا ایک خاص مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور مضاف کے طور پر آنے والے لفظ کی حدود ہی میں رہ کر اس کو سمجھا جاتا ہے۔ جہاں مفہوم وسیع ہو اور کسی ایک لفظ کی حدود میں نہ آتا ہو تو وہاں مضاف کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ قاری اپنے فکر کو کام میں لا کر اس کی وسعتوں کا خود احاطہ کرے۔ مثلاً

۱۔ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (حج ۷۸)

"اللہ (کی راہ) میں جدوجہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے"

یہاں لفظ اللہ کا مضاف محذوف ہے۔ دین یا سبیل یا کوئی بھی موزوں لفظ یہاں مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب ہی یہاں مراد ہیں۔

۲۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا"

یہاں اللہ کا مضاف بیان نہیں ہوا حالانکہ یہاں مراد اس کے دین کی نصرت ہے۔ جس کی شکلیں بے شمار ممکن ہو سکتی ہیں۔ اس وسعت کو قائم رکھنے کے لیے مضاف کو حذف کر دیا۔

۳۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (احزاب ۲۱)

"تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے ان کے لیے جو اللہ (کی ملاقات) اور روز آخرت (کے اجر) کی توقع رکھتے ہیں"

یہاں لفظ اللہ کا مضاف لقاء یا رحمہ یا کوئی اور لفظ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح الیوم الآخر کا مضاف عاقبہ یا جزا یا ثواب یا کوئی اور لفظ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دونوں جگہ مضاف کو حذف کر کے مضمون کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ تمام پہلو مراد لیے جا سکیں۔

د۔ کامل شخصیت سے تعارف کے لیے حذف:

قرآن مجید کے متعدد مقامات پر ایک شخصی کردار بیان ہوا ہے۔ مراد تو اس کی صفات کے کسی خاص پہلو یا کیفیت کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے لیکن اس کی بجائے پوری شخصیت ہی کو پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا پورا سراپا سامنے رہے۔ لہٰذا مضاف جو صرف اس کے خاص پہلو کو ہی نمایاں کر سکتا، حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِیْ يُغْشٰی عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (احزاب ۱۹)

"ان کی آنکھیں اس شخص (کی آنکھوں) کی طرح گردش کر رہی ہیں جس پر سکرات موت کی حالت طاری ہو"

یہاں ظاہر تو یہ کرنا مقصود ہے کہ خطرے کی صورت میں منافقین کی آنکھیں خوف زدگی کے عالم میں ایک ایسے شخص کی آنکھوں کی طرح گردش کرتی تھیں جس پر موت کی غشی طاری ہو چکی ہو لیکن مضاف۔۔۔ دوران حین . . . . . کو حذف کر کے ایک مرنے والے کی کیفیت کی تصویر کشی کر دی جس سے منافقین کی مماثلت بہت واضح ہو گئی۔

۲۔ لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ (نساء ۱۱۴)

"ان کی سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس میں کوئی خیر نہیں۔ خیر والی سرگوشی تو صرف اس کی ہے جو صدقہ کی صلاح دے یا کسی نیکی کی راہ سجھائے یا اصلاح ذات البین کی دعوت دے"

یہاں "مَنْ اَمَرَ" سے پہلے اس کا ایک مضاف حذف ہے جو جملے کے ابتدائی حصے سے سمجھ میں آ جاتا ہے یعنی نجوی خیر۔ اس کو محذوف کر کے گویا اس شخص کا کردار نمایاں کر دیا جو صدقہ، نیکی اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے میں مستعد رہتا ہے۔

۳۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (توبہ ۱۹)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے انتظام کو ان لوگوں کے (عمل کے) ہم

(بقیہ برصفحہ ۴۶)

خالد مسعود

غزوہ احد

غزوہ بدر میں مسلمانوں کو جو شاندار فتح حاصل ہوئی اور قریش جس ذلت آمیز ہزیمت سے دوچار ہوئے اس کے اثرات بے حد وسیع تھے۔ فی الجملہ اس سے عرب قبائل پر مسلمانوں کی طاقت سے مرعوبیت طاری ہوئی اور اسلام کے دشمنوں نے نئی جنگی کارروائیوں کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی۔

اسیران جنگ کی رہائی:

جنگ بدر میں قریش کے ستر آدمی اسیر ہو گئے تھے۔ جنگ کے بعد ان کی رہائی کا معاملہ قریش کے لئے ایک اور ذلت آمیز کام تھا۔ اسیران جنگ کے عزیزوں نے مدینہ آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی رہائی کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی مالی حیثیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ چار ہزار درہم اور کم سے کم ایک ہزار درہم فی کس زرفدیہ وصول کیا۔ جن اسیروں کے پاس مال نہ تھا ان سے مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی خدمت لی گئی اور بعض کو غیر جانبداری کے وعدہ پر بھی چھوڑا گیا۔ اسیروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیزوں میں سے آپ کے چچا عباس اور داماد ابو العاص بھی تھے۔ عباس مالدار آدمی تھے۔ حضور نے ان سے ان کے دو بھتیجوں ... عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث .... اور ایک حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی وصول کیا۔ ابو العاص کی رہائی کے لئے حضور کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنا وہ طلائی ہار بطور زر فدیہ بھیجا جو ان کی شادی کے موقع پر حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا۔ اس کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بھر آئی۔ آپؐ نے عام مسلمانوں کی اجازت سے ہار لوٹا دیا اور ابو العاص کو اس شرط پر رہا کیا کہ وہ مکہ جاتے ہی حضرت زینبؓ کو ہجرت کی اجازت دے کر مدینہ پہنچائیں گے۔

اسیران جنگ کو مدینہ منورہ کی معاشرت، مسلمانوں کا اخلاق، اسلام کے لئے قربانی کا جذبہ اور اسلام کا پیدا کردہ انقلاب احوال دیکھنے کا موقع ملا جس نے یقیناً ان کو متاثر کیا۔ رہائی کے وقت ان کو یہ احساس دلایا گیا کہ مسلمانوں کو ان کے زرفدیہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اصل مطالبہ ان سے قبول ہدایت کا ہے۔ ان کو اس توقع پر چھوڑا جا رہا ہے کہ وہ جلد اسلام کی حقانیت کے قائل ہو کر اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور آئندہ کفر کی جانب سے اسلام کے خلاف صف آرا نہیں ہوں گے۔ اگر انہوں نے اپنی جان بخشی کی قدر نہ کی تو یقین رکھیں کہ اللہ پھر ان کو مسلمانوں کے قابو میں دے دے گا۔ سورہ انفال میں ارشاد ہوا:

> یا ایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم و یغفر لکم واللہ غفور رحیم وان یریدوا خیانتک فقد خانوا اللہ من قبل فامکن منھم واللہ علیم حکیم (۷۰-۷۱)
>
> "اے نبی، تمہارے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو وہ عطا فرمائے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اگر یہ تم سے بدعہدی کریں گے تو اس سے پہلے انہوں نے خدا سے بدعہدی کی تو خدا نے تم کو ان پر قابو دے دیا اور اللہ علیم و حکیم ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زرفدیہ کی یہ تمام کارروائی نہ اسلامی تعلیمات کے خلاف تھی نہ مصالح کے خلاف۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوئی اور اس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ لہٰذا اس کارروائی کو جن روایات کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کا باعث سمجھا گیا ہے وہ لائق اعتنا نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سورہ محمد میں پہلے ہی یہ احکام نازل ہو چکے تھے کہ اسیران جنگ کو زرفدیہ لے کر یا ان پر احسان کر کے بغیر فدیہ لئے چھوڑا جا سکتا ہے۔

بدر کی فتح کے اثرات:

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر مدینہ اور اس کے مضافات کے بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں عافیت سمجھی تاکہ جب مسلمانوں کو ملک میں کامل اقتدار حاصل ہو جائے تو یہ اس کے فوائد سے محروم نہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدر اور احد کی جنگوں کے مابین اگرچہ صرف ایک سال کا فاصلہ ہے لیکن جنگ احد کے لئے نکلنے والے مسلمانوں کی تعداد بدر جانے والوں کے مقابلہ میں تین گنا تھی۔ یہود میں سے بعض لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح جویانہ روش اختیار کر لی اور دل میں وہ ان کے ساتھ کتنا ہی عناد رکھتے رہے ہوں لیکن بظاہر انہوں نے معاہدات کو توڑنے کی جرات نہ کی۔ یہود میں سے بہت سے لوگ مسلمان بھی ہو گئے۔ طاقت سے مرعوب ہو کر اسلام لانے میں مصلحتیں

زیادہ ملوث ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس دور میں خاصی تعداد ایسے مسلمانوں کی تھی جو اسلام لانے میں مخلص نہیں تھے۔ یہ منافقین کہلاتے اور انہوں نے آگے چل کر قدم قدم پر مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی۔

قریش مکہ اور مسلمانوں کے دیگر معاندین کو بدر کے نتائج نے پریشان کر دیا۔ انہوں نے شکست میں اپنی ذلت ہی نہیں دیکھی بلکہ حقیقی معنوں میں اسلام کے خطرہ کو محسوس کیا۔ مسلمانوں نے جب ہجرت کی تھی تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اپنے مرکز سے کٹ کر مسلمان اپنی جمعیت کھو بیٹھیں گے اور اجنبی ماحول ان کو راس نہیں آئے گا۔ بدر کے نتیجہ سے ظاہر ہوا کہ یہ رائے حقیقت سے بعید تھی اور اسلام کو اکھاڑنے کے لئے اب پہلے سے کہیں زیادہ زور و قوت درکار تھی۔ ان اندیشوں کے پیش نظر انہوں نے کئی محاذوں کو آزمایا۔ ان کی بعض کوششیں حسب ذیل تھیں:

الف۔ انتقامی کارروائیاں:

جنگ بدر میں سرداران قریش کے بڑی تعداد میں قتل ہو جانے سے قریشی نوجوانوں پر بے حد جھلاہٹ طاری ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی سی تدبیریں کیں۔ امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان نے عمیر بن وہب اجمحی کو تیار کیا کہ وہ مدینہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے۔ اس کے بدلے وہ اس کے ذمہ کا تمام قرض ادا کر دے گا اور اس کی اولاد کی تمام ذمہ داریاں اپنی اولاد کی طرح پوری کرے گا۔ عمیر نے یہ شرط مان لی، اپنی تلوار کو زہر میں بجھایا اور مدینہ کا رخ کیا۔ مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچا تو حضرت عمرؓ نے روکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپ نے اس کو خوش آمدید کہا اور پوچھا کیسے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک قیدی کا فدیہ لے کر آیا ہوں۔ آپ نے پوچھا، اس کے لئے تلوار لٹکانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے جواب دیا، ان تلواروں کا ستیاناس ہو، یہ پہلے ہمارے کس کام آئی ہیں؟ آپؐ نے دریافت کیا، تو پھر اس قول و قرار کی کیا حقیقت ہے جو تم نے صفوان بن امیہ سے کیا ہے؟ عمیر نے کہا، اس معاملے کی خبر صفوان اور میرے سوا کسی تیسرے آدمی کو نہ تھی۔ اگر آپ اس کا حوالہ دے رہے ہیں تو بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں اسلام لاتا ہوں۔ صفوان مکہ میں بڑی بے تابی سے کسی بڑی خبر کا انتظار کرتا رہا اور عمیر کی وفاداری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیت لی۔

بدر میں صف اول کی قریشی قیادت کے قتل ہو جانے کے بعد سیادت کا منصب ابوسفیان کے حصہ میں آیا تو اس نے حلف اٹھایا کہ وہ انتقامی کارروائی کرنے تک غسل نہیں کرے گا۔ جنگ بدر کے دو ماہ بعد وہ دو سو افراد کی جمعیت کے ہمراہ نکلا اور مدینہ سے چند میل دور پڑاؤ کیا۔ خود رات کی

تاریکی میں مدینہ کی مضافاتی بستیوں میں پہنچا جہاں یہود آباد تھے۔ اپنے دوست حی بن اخطب کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اس نے بدعہدی کے خوف سے دروازہ نہ کھولا۔ اس سے مایوس ہو کر بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے ہاں گیا۔ اس نے آؤ بھگت کی لیکن علانیہ مدد فراہم کرنے سے پہلو تہی کی۔ چنانچہ ابوسفیان نے مدینہ سے باہر مسلمانوں کے چند کھیت تباہ کئے، دو گھروں کو آگ لگائی اور دو آدمیوں کو قتل کر کے اپنی قسم پوری کی اور واپس مکہ کی راہ لی۔ اس حملہ کی خبر ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کا تعاقب کیا لیکن وہ تیزی سے نکل بھاگا تھا۔

ب۔ یہود کی شرارتیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ناطرفداری کے باوجود۔ یہود قریش کے ساتھ ربط و ضبط رکھتے تھے۔ جنگ بدر کی آگ بھڑکانے میں بھی درپردہ ان کا ہاتھ تھا۔ ان کی کوشش ہوتی کہ دوسروں سے مسلمانوں کو زک پہنچائیں اور اپنے اوپر الزام بھی نہ آنے دیں۔ اس طرح کے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید نے یہ ہدایت دی کہ اگر وہ معاہدات کی پاسداری نہیں کرتے تو تم بھی معاہدہ ان کے منہ پر پھینک مارو۔ فرمایا

> الذین عٰھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحب الخائنین (انفال ۵۶۔۵۸)
>
> "وہ لوگ جن سے تم نے عہد لیا، پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ اگر تم انہیں جنگ میں پا جاؤ تو انہیں ایسی مار مارو کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی تتر بتر کر دو تاکہ ان کے ہوش ٹھکانے ہوں۔ اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا خطرہ ہو تو تم بھی اسی طرح ان کا عہد ان پر پھینک مارو۔ اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا"۔

جنگ بدر کے بعد بعض معاند۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو زچ کرنے کی راہ اپنائی۔ ان کا لیڈر کعب بن اشرف ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم اور آئندہ جنگ کی منصوبہ بندی کرتا رہا۔ واپس آیا تو مسلمان خواتین کو رسوا کرنے کے لئے نہایت سوقیانہ غزلیں کہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی مہم چلائی۔ یہی کردار ایک اور یہودی ابو عفک نے ادا کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو قتل کروا دیا۔

یہود کا قبیلہ بنو قینقاع مخالفانہ سرگرمیوں میں پیش پیش تھا۔ آپؐ ان کو ان کا عہد یاد دلانے کے لئے ان کی بستی میں تشریف لے گئے اور ان کو خدا کے غضب سے ڈرایا۔ آپؐ نے واضح فرمایا کہ

تم جس رسول کا ذکر اپنے صحیفوں میں پاتے ہو وہ میں ہوں۔ اس رسول کے بارے میں خدا کے ساتھ تمہارا یہ عہد ہے کہ تم اس کی نصرت کرو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے۔ اس تقریر کے جواب میں بنو قینقاع نے بڑی رعونت دکھائی اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کو نظرانداز کیا لیکن انہوں نے عملاً دشمنانہ کاروائیاں شروع کر دیں جس کے بعد آنحضرتؐ نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ بن ابی کی سفارش پر آپؐ نے ان کی جان بخشی تو کر دی لیکن ان کو جلاوطن کر دیا۔

ج۔ قریش کی منصوبہ بندی:

جنگ بدر کے بعد قریش کی قیادت نے یہ فیصلہ کیا کہ شام سے لوٹنے والے تجارتی کاروان نے جو منافع کمایا تھا وہ لوگوں میں تقسیم نہیں ہو گا بلکہ اس کو آئندہ جنگ کی تیاری کے لئے وقف کر دیا جائے گا۔

ابوسفیان نے سیاسی طور پر انصار مدینہ کے دونوں قبائل ۔۔۔۔ اوس اور خزرج ۔۔۔ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ غیر جانب دار ہو جائیں اور قریش کو اپنے ان رشتہ داروں سے نمٹ لینے دیں جو مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر آتے ہیں۔ ان دونوں قبائل کی بہت بڑی تعداد مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا دم بھر چکی تھی لہٰذا ان کے غیر مسلم افراد اب اتنے بااثر نہ تھے کہ وہ کسی کو حضورؐ کی حمایت سے دستکش ہونے پر آمادہ کر سکتے۔ چنانچہ ابوسفیان کی مہم ناکام رہی۔ تاہم اس نے اوس کے ایک سردار ابو عامر کو جو مکہ میں مقیم تھا ساتھ ملایا اور آئندہ جنگ میں اس کے اثر و رسوخ کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم یہ کوشش بھی ثمر آور نہ ہوئی۔

قریشی قیادت کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ تنہا ان کی قوت مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ناکافی ہو گی لہٰذا غیر قریشی قبائل کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہو گا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے بااثر لوگوں کی خدمات حاصل کیں اور آئندہ جنگ میں بنو کنانہ، بنو مالک، اہل تہامہ اور احابیش کو شریک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ معرکہ شوال ۳ھ میں مدینہ منورہ سے باہر کوہ احد کے دامن میں پیش آیا۔

جنگ احد:

کیل کانٹے سے لیس اہل مکہ اور ان کے حلیف قبائل کے لشکر میں تین ہزار افراد شامل تھے جن میں سات سو زرہ بند اور دو سو گھوڑ سوار تھے۔ ان کے ہمراہ بدر کے مقتول سرداروں کی بہو بیٹیاں بطور خاص فوج کو غیرت دلانے کے لئے آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تیاری اور آمد کی خبر

مل گئی۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے امتحاناً ان سے یہ پوچھا کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر۔ آپؐ چاہتے تھے کہ اس طرح کمزور لوگوں کی تعداد کا اندازہ ہو جائے۔ منافقین نے آپؐ کو شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی مصلحتیں سمجھائیں اور بتایا کہ اس طرح مردوں کے علاوہ عورتیں بھی ہماری مدد کر سکیں گی۔ لیکن مخلصین کی رائے اس کے برعکس تھی۔ ایک انصاری نے کہا، حضور ہم دشمن کا مقابلہ اپنے شہر کی گلیوں میں نہیں کریں گے تو پھر کہاں کریں گے۔ بنی سالم کے نعیم بن مالکؓ نے کہا، اے اللہ کے نبی ہمیں جنت سے محروم نہ رکھئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔ کسی نے پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگے، اس لئے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہوں اور میدان جنگ سے بھاگنا میرا شیوہ نہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب اتاری ہم میدان ہی میں دشمن سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ مسلمانوں نے اپنی تقریروں میں شہادت کی آرزو کی اور شہر کے اندر محصور ہو کر لڑنے کو اس آرزو کے بر آنے میں ایک رکاوٹ بتایا۔ اس طرح منافقین و مخلصین کی تعداد کا اندازہ کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے باہر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپؐ زرہ پہن اور مسلح ہو کر فوج کی قیادت کے لئے گھر سے نکلے۔ ایک ہزار افراد پر مشتمل مسلمانوں کا لشکر احد کی جانب روانہ ہوا جہاں قریش نے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ آپؐ نے رات راستہ کے ایک مقام الشوط میں گزاری۔

اگلی صبح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا حکم دیا تو منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا اور مسلمانوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ مسلمانوں کے بااثر لوگوں نے اس کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اسے یہ پیشکش بھی کی گئی کہ وہ لڑائی میں حصہ نہیں لینا چاہتا تو نہ لے، صرف دفاعی مورچہ سنبھالے رکھے۔ لیکن اس نے بات یہ بنائی کہ جنگ ہونے کا مجھے کوئی احتمال نظر نہیں آتا۔ اگر جنگ ہونا یقینی ہوتا تو ہم ضرور ساتھ دیتے۔ عبداللہ بن ابی کی یہ حرکت فوج کا حوصلہ پست کرنے کا باعث بنی اور قبیلہ اوس کے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ کو بھی ترغیب ہوئی کہ وہ بھی جنگ سے پہلو تہی کریں لیکن لوگوں کے سمجھانے پر وہ سنبھل گئے۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی کہ اہل ایمان کا اعتماد تعداد اور وسائل پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی نصرت پر ہوتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ان تین سو افراد کی جگہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کی کمک فراہم کر دے۔ بلکہ اگر تم استقامت دکھاؤ اور دشمن کے کسی ہنگامی حملے کا تقاضہ ہو تو تین ہزار کیا، اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں کو بھی محاذ جنگ پر بھیج دے گا۔ چنانچہ سات سو مسلمان اللہ کی نصرت کے بھروسہ پر آگے بڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ احد کو دائیں ہاتھ

اور پشت پر رکھ کر ایک نیم دائرہ میدان میں اپنی فوج کی صف بندی کی۔ بائیں ہاتھ پر احد سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی تھی۔ اس پر آپؐ نے پچاس تیراندازوں کو متعین فرمایا اور ان کے افسر عبداللہ بن جبیرؓ کو ہدایت فرمائی کہ لشکر پر بائیں جانب سے حملہ کا دفاع کرنا اور میدان جنگ میں صورت حال کوئی بھی رخ اختیار کر جائے تم اپنی مفوضہ ڈیوٹی ہی سرانجام دینا اور جنگ کے خاتمہ تک اس پہاڑی مورچے کو نہ چھوڑنا۔ قریش نے کوہ احد کو بائیں پہلو پر رکھ کر کھلے میدان میں صف بندی کی۔ وسط میں ان کی پیدل فوج تھی اور میمنہ و میسرہ پر گھوڑ سوار دستے تھے جن کے افسر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل تھے۔

اس جنگ کے چار مراحل نہایت نمایاں تھے۔

پہلا مرحلہ:

اس مرحلے میں مسلمانوں نے شجاعت کے جوہر دکھائے اور دشمن کی ہر پیش قدمی کا نہایت دندان شکن جواب دیا۔ خدا کی نصرت ان کے ہم رکاب تھی۔ لہٰذا بڑھ چڑھ کر انہوں نے دشمن پر حملے کئے۔ یہاں تک کہ قریش کا کوئی بھی علمبردار ان کے آگے نہ ٹک سکا۔ یکے بعد دیگرے آٹھ علمبردار مارے گئے۔ قریشی خواتین رجز گا گا کر اپنے لوگوں کے حوصلے بڑھاتی اور ان کی غیرت کو بیدار کرتی رہیں لیکن جنگ کی شدت نے ان کو بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ قریش کا لشکر پسپا ہوا تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مال غنیمت سمیٹنا شروع کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقدام ابھی قبل از وقت تھا اور قریش کی قوت کو پوری طرح کچلے بغیر ہی یہ کاروائی کی گئی حالانکہ ان کا دم خم ابھی باقی تھا۔

دوسرا مرحلہ:

پہاڑی پر تعینات تیراندازوں نے جب دیکھا کہ دشمن کے قدم اکھڑ چکے ہیں اور مسلمان اب مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے ہیں تو ان کا خیال ہوا کہ لڑائی ختم ہو چکی اور اب وہ نگرانی کے فریضہ سے سبکدوش ہو چکے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے مورچے سے نہ ٹلیں لیکن انہوں نے اس حکم کو ناروا سمجھا اور دس بارہ لوگوں کے سوا باقی سب مورچہ چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ خالد بن ولید قریش کے میمنہ کے انچارج تھے۔ انہوں نے اس صورت حال کو غنیمت جانا اور اپنے دستہ کو لے کر پہاڑی کا رخ کیا۔ تھوڑے سے تیراندازوں کو ختم کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ آگے میدان صاف تھا۔ مسلمانوں کی صفیں پہلے ہی تتر بتر ہو چکی تھیں۔ خالد بن ولید نے ان پر پشت سے حملہ کر کے ان کو گھیرے میں لے لیا۔ اس ناگہانی آفت نے اہل ایمان کو ایک بڑی آزمائش سے دوچار کر

دیا۔ موقع سے نکل بھاگنے کی کوشش میں کسی نے پہاڑ کا رخ کیا کسی نے شہر کا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوبارہ صف بندی کی کوشش کی اور آوازیں دیں کہ اللہ کے بندو میری جانب آؤ۔ لیکن کسی کو دائیں بائیں دیکھنے کا ہوش نہ تھا۔ بہت کم تعداد میں مسلمان آنحضرتؐ کے گرد جمع ہوئے اور بڑی شجاعت سے کفار کا مقابلہ کیا۔ قریش نے حضورؐ کے گرد اس حصار کو توڑنے کی بے حد کوشش کی لیکن آپ کے جاں نثار ساتھیوں نے اس کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ انہی مراحل جنگ کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:

> ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاٰخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم و لقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین۔ اذ تصعدون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخرٰکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون (آل عمران ۱۵۲۔۱۵۳)
>
> "اور اللہ نے تو تم سے جو وعدہ کیا وہ سچ کر دکھایا جب کہ تم ان کو اللہ کے حکم سے تہ تیغ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم خود ڈھیلے پڑ گئے اور حکم میں تم نے اختلاف کیا اور رسول کی نافرمانی کی جب کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی تھی جس کے تم تمنائی تھے۔ تم میں کچھ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کے۔ پھر خدا نے تمہارا رخ ان سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائش میں ڈالے اور اللہ مسلمانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ یاد کرو جب کہ تم منہ اٹھائے بھاگے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور خدا کا رسولؐ تم کو تمہارے پیچھے سے پکار رہا تھا تو خدا نے تم کو غم پر غم پہنچایا تاکہ تم دل شکستہ نہ ہوا کرو۔ نہ کسی نقصان پر اور نہ کسی مصیبت پر۔ اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے"۔

مسلمان انتہائی پریشان کن حالات سے تو دوچار تھے ہی اور دشمن کے گھیرے میں آجانے کے باعث ان کا بے حد جانی نقصان ہوا اس کے ساتھ ان پر ایک نئی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ قریش حضورؐ کے گرد مسلمانوں کے حصار کو تو نہ توڑ سکے لیکن کسی بدبخت جس کا نام ابن قمیئہ آیا ہے، کا پھینکا ہوا ایک پتھر آنحضرتؐ کو آ لگا جس سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور نچلے دو دانت شہید ہو گئے۔ آپؐ زخم سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ اس کے ساتھ ہی ابن قمیئہ نے نعرہ لگا دیا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے۔ یہ افواہ نہایت سرعت کے ساتھ مسلمانوں میں پھیلی اور ان کو بالعموم سخت مایوسی سے دوچار کر گئی۔ کئی مسلمان ہتھیار پھینک کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنے کا کیا فائدہ۔ بعضوں نے

ابوسفیان سے جان کی امان پانے کی تجاویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔ بعضوں نے اپنے قبیلوں کی طرف لوٹ جانے میں دانش مندی دیکھی۔ لیکن ایک گروہ وہ بھی تھا جس کے اندر دشمن کو زیر کرنے کا جذبہ دو چند ہو گیا۔ انہوں نے عزم کیا کہ ہم اسی حق کے لئے اپنی جان لڑا دیں گے جس حق پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان قربان کر دی۔ بالآخر یہی گروہ تھا جس کی حوصلہ مندی نے میدان جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

تیسرا مرحلہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جان نثاروں نے اپنے جسموں سے ڈھال کا کام لیا اور مسلمانوں کو آوازیں دے دے کر مطلع کیا کہ آنحضرتؐ زندہ اور محفوظ ہیں لہٰذا وہ حضورؐ کے گرد جمع ہو جائیں۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ آنحضرتؐ نے تیر اندازی کرواتے ہوئے پہاڑ کی جانب ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کوہ احد کے دامن میں جا پہنچے۔ وہاں آپؐ نے مسلمانوں کو از سر نو منظم کیا اور پہاڑ کی ڈھلوان پر مورچہ لگایا۔ قریش نے پہاڑ کے اوپر چڑھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار مسلمانوں کی سنگ باری کے باعث اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلندی پر ہونے کے باعث مسلمانوں کو ایک گونہ برتری حاصل ہو گئی تھی اور قریش کے گھوڑ سوار دستے بھی وہاں بیکار ہو چکے تھے۔ اس صورت حال میں قریش نے خود ہی تھک ہار کر مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش ترک کر دی۔

اس موقع پر دونوں لشکروں کی طرف سے نعرہ بازی ہوئی جس کا تذکرہ تاریخوں میں ہوا ہے۔ ابوسفیان نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر پوچھا، کیا تم لوگوں میں ابن ابی کبشہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اس سوال پر حضور نے ہدایت فرمائی کہ لوگ خاموش رہیں۔ پھر ابوسفیان نے پوچھا، تم لوگوں میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) ہیں؟ کیا تم میں ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ہیں۔ جب اس کو کوئی جواب نہیں ملا تو بولا، معلوم ہوتا ہے سب مر گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمن، تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اللہ نے تجھے غمگین کرنے کا سامان باقی رکھا ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے نعرہ لگایا اعل ھبل (ھبل کی جے) آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت عمرؓ نے نعرہ لگایا۔ اللہ اعلیٰ واجل (اللہ سب سے اونچا اور بلند مرتبہ ہے) ابوسفیان نے پھر ایک دیوی کے نام کا نعرہ لگایا۔ لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم (ہمارے پاس عزیٰ دیوی ہے جو تمہارے پاس نہیں) حضرت عمرؓ نے جواب دیا اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا حامی ہے اور تمہارا حامی کوئی نہیں) اس پر ابوسفیان نے کہا، آج بدر کے انتقام کا دن تھا۔ فتح باری باری سے آتی ہے۔ آج ہم برابر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، برابر نہیں ہوئے۔ ہمارے شہدا جنت میں گئے اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔ اس

کے بعد ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو اپنے قریب بلایا۔ جب وہ گئے تو کہا، میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا نا؟ انہوں نے جواب دیا۔ خدا کی قسم تم ایسا نہیں کر سکے۔ وہ اس وقت بھی موجود اور تمہاری گفتگو سن رہے ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا، عمر! میں تمہیں ابن قمیئہ سے زیادہ سچا اور زیادہ قابل اعتماد سمجھتا ہوں۔ اچھا تو اگلے سال پھر بدر میں دو دو ہاتھ ہوں گے۔ ہاں تم اپنے مقتولوں میں بعض لاشوں کا مثلہ دیکھو گے۔ معلوم رہے کہ میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ ابوسفیان نے یہ کہا اور اپنی فوج کو مکہ واپسی کا حکم دے دیا۔

چوتھا مرحلہ:

کفار جب میدان چھوڑ چکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ سے اترے۔ میدان جنگ میں مقتولین کی پہچان کروائی اور ان کی تدفین کا بندوبست کیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ لاشوں کو شہر نہ لے جایا جائے بلکہ ان کو میدان جنگ ہی میں دفن کیا جائے۔ روایات میں مسلمانوں کے شہدا کی کم سے کم تعداد چالیس اور زیادہ سے زیادہ ستر بیان ہوئی ہے۔ قریش کے مقتولین کی تعداد کم سے کم چودہ اور زیادہ سے زیادہ بائیس تھی۔

رات آپؐ نے کوہ احد کے دامن ہی میں گزاری۔ دن بھر کے تھکے ہوئے مسلمان بڑے اطمینان کی نیند سوئے جبکہ ایک گروہ پر دشمن کا خوف اس قدر مسلط ہو چکا تھا کہ وہ رات بھر ہر آہٹ سے پریشان ہو ہو جاتے رہے کہ کہیں دشمن پھر سے حملہ آور نہ ہو رہا ہو۔ علی الصبح یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش کو یہ احساس ہوا ہے کہ انہوں نے مکہ کو واپس روانہ ہو کر دانشمندی نہیں کی، لہٰذا وہ دوبارہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس افواہ کو پھیلانے میں منافقین نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس خبر سے مسلمان بددل اور پست ہمت ہو جائیں گے لیکن ہوا یہ کہ جاں نثاروں نے یہ خبر سن کر حسبنا اللہ و نعم الوکیل (اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) کا نعرہ لگایا اور پہلے سے زیادہ جرات کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کل جو لوگ ثابت قدم رہے تھے وہ آج دشمن کا تعاقب کریں۔ چنانچہ مسلمان پورے جوش و جذبہ کے ساتھ اس نئی مہم پر روانہ ہو گئے۔ آپؐ نے مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر پڑاؤ کیا اور قریش کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ مکہ کو روانہ ہو گئے ہیں تو آپؐ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔

اسی مرحلہ کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوا ہے:

الذین استجابو اللہ و للرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم و اتقوا اجر عظیم الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء و اتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم○ (آل عمران ۱۷۲۔۱۷۴)

"(ان اہل ایمان کے اجر کو اللہ ضائع نہیں کرے گا) جنہوں نے چوٹ کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی پکار پر لبیک کی۔ ان میں سے جنہوں نے بھی خوبی کے ساتھ کام کئے اور جو تقویٰ کی روش چلے ہیں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ یہ وہ ہیں کہ جن کو لوگوں نے ستایا کہ دشمن نے تمہارے لئے بڑی طاقت اکٹھی کی ہے تو اس سے ڈرو تو اس چیز نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بولے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ سو یہ لوگ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس آئے۔ ان کو ذرا گزند نہ پہنچا۔ اور یہ اللہ کی خوشنودی کے طالب ہوئے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

بقیہ : حذف (۳)

رتبہ کر دیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے"

یہاں بھی "مَنْ اٰمن" کا مضاف محذوف ہے۔ مراد اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے والے مومنین کے اعمال صالحہ ہیں۔

ٹھیک اسی طرح کی آیت سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۷ ہے۔ اس میں بِرّ کی وضاحت کے لیے ایک پورا کردار سامنے کر دیا گیا ہے کہ اس کردار کی وفاداری اور نیکی دیکھو۔ یہ ہے وہ بِر جو خدا کے ہاں پسندیدہ ہے نہ کہ تمہارا مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لینا۔ وہاں آیت یوں ہوگی۔

لکن البر (بر) من اٰمن باللہ (بقرہ ۱۷۷)

"بلکہ وفاداری ان کی (وفاداری) ہے جو اللہ پر ایمان لائیں۔۔۔۔۔۔"

لیکن "من اٰمن" کا مضاف حذف کر دیا گیا ہے۔

تبصرہ کتب

عبداللہ غلام احمد

رویت ھلال کے مسائل کا نیا تجزیہ

مصنف:۔ ڈاکٹر عمر افضل

ناشر:۔ ادارہ معارف اسلامی فیڈرل بی ایریا، کراچی

عالم اسلام میں یہ خواہش شدت سے پائی جاتی ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ہی دن رمضان کی ابتدا کریں، ایک ہی دن عید الفطر منائیں، ایک ہی دن عید الاضحیٰ ہو، مسلمانوں کی ایک ہی تقویم ہو اور ایک ہی میریڈین ہو۔ بعض لوگوں نے تو یہ دل کش نعرہ بھی لگایا ہے کہ ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کو اسلامی میریڈین تسلیم کیا جائے۔ "وحدت ایام" کی اس خواہش کے پس منظر میں وحدت امت کا جذبہ کارفرما ہے اور یہ بجا طور پر ایک قابل ستائش جذبہ ہے مگر عملاً صورت واقعہ یہ ہے کہ مسلم امت ہر سال ہی عیدین اور رمضان کی ابتدا پر علماء کے اختلاف و افتراق کا نشانہ بنتی ہے۔ عموماً تین اور کبھی چار مختلف دنوں میں عیدین منائی جاتی ہیں۔ اکثر یہ اختلاف مسلسل نزاع اور سر پھٹول کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ علماء کرام نے ان مسائل کو اختلاف مطالع، شہادت اور خبر کی بنیادوں پر حل کرنے کی کوششیں کی ہیں مگر اس سے بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا بلکہ اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے اور وحدت ایام کا مسئلہ جوں کا توں موجود ہے۔ بعض لوگوں نے اس مسئلہ کا حل یہ پیش کیا ہے کہ سارے عالم کے مسلمان ام القریٰ کے معیاری وقت سے اپنے اپنے ملکوں کے ایام و اوقات میں توافق و مطابقت پیدا کر کے اس بات کی پابندی کریں اور عید الاضحیٰ اسی مناسبت سے منائیں جب منیٰ میں یوم النحر ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات کے طبعی قوانین کے تحت "وحدت ایام" کے جذباتی نعرہ کو عملی شکل دینا ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں ۵۰ صفحات کے زیر نظر رسالہ میں فاضل مصنف نے ان مسائل پر نہایت مفید بحثیں تحریر کی ہیں۔ زمین کی کروی ساخت، چاند کی گردش، اس کی سورج سے مستعار روشنی، اس کی ناہمواری، اس کی غیر مرئی حالت، اس کا ہلال کی شکل میں نمودار ہونا وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے واضح کیا ہے کہ رویت ہلال کی ابتداء ہر مہینے کرہ ارض پر ایک نئے مقام پر ہوتی ہے اور یہ رویت شمالاً جنوباً سورج کی طرح نہیں ہوتی بلکہ ابتدائی مقام سے ایک بیضوی دائرے کے اندر مغرب کی سمت بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہ دائرہ شمالاً جنوباً وسیع ہوتا چلا

جاتا ہے۔ ہر مہینے کرہ ارض پر رویت ہلال کا ایک "امکانی علاقہ" ہوتا ہے جو چند سو میل تک وسیع ہو سکتا ہے۔ اس امکانی علاقہ میں رویت یقینی نہیں ہوتی۔ اس کی انتہائی مشرقی حد پر امکان خفیف ہوتا ہے اور جیسے جیسے مغرب کی طرف بڑھیں، امکان میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ یقینی رویت، کا علاقہ آ جاتا ہے۔ حسابی قاعدوں کی رو سے ہر مہینے یقینی رویت، یقینی عدم رویت اور امکانی رویت کے علاقے معلوم کئے جا سکتے ہیں اور شہادت کے رد و قبول میں ان علاقوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ جہاں تک ام القریٰ کو اسلامی میریڈین قرار دیے جانے کا تعلق ہے، باوجود اس امر کے کہ اسلامی قمری مہینوں کے لیے مکہ مکرمہ کی تاریخوں کا احترام ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے، ام القریٰ کو طبعی قوانین کے خلاف میریڈین مان بھی لیا جائے تو بھی مسائل حل نہیں ہوں گے۔

فاضل مصنف نے علماء کرام سے درخواست کی ہے کہ وہ اختلاف مطالع، شہادت اور خبر کے مسائل میں الجھے رہنے کے بجائے کائنات کے طبعی قوانین پر غور کریں اور حسابی قاعدوں اور جدید سائنسی علوم کی مدد سے رویت اور عدم رویت کا تعین کریں۔ انہوں نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اسلامی قمری مہینہ صرف، بصری رویت، ہی پر شروع ہو سکتا ہے۔ بصری رویت میں دوربینوں کا استعمال بھی شامل ہے۔ جو مسلمان ممالک ،بصری رویت، کو چھوڑ کر دوسرے ذرائع اختیار کرتے ہیں مثلاً غروب آفتاب کے بعد غیر مرئی نئے چاند کی عمر وغیرہ کو بنیاد بنا کر قمری مہینہ شروع کرتے ہیں، ان کے اس عمل کو صحیح نہیں گردانا جا سکتا۔ مصنف نے انہیں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ فطری اسلامی وحدت ایام صرف اور صرف قرآنی آیت : "یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج۔۔۔۔۔ البقرہ۔ ۱۸۹" اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم : "لا تصوموا حتیٰ تروا الھلال ولا تفطروا حتیٰ تروہ" پر عمل کر کے ہی حاصل ہوگی۔

ہمارا مقصود نہ تو اس رسالہ کے سارے مضامین کا احصاء ہے اور نہ اس کا خلاصہ بیان کرنا۔ مقالہ نہایت فنی اور تحقیقی نوعیت کا ہے اور رویت ہلال کی اہمیت اور اس کے مضمرات و اثرات جاننے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔

رسالہ میں دیے گئے نقشوں اور جدولوں کی طباعت ناقص ہے جس کی وجہ سے مقالہ کی افادیت متاثر ہوتی ہے۔ جا بجا ٹائپوں کی غلطیاں ہیں۔ پروف ریڈنگ میں تساہل ہوا ہے جس سے رسالہ کا ظاہری حسن بھی داغدار ہوا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں ان نقائص کا ازالہ کیا جائے گا۔

یہ مقالہ اگرچہ ایک اور صاحب کے اسی موضوع پر مضمون کے فنی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا گیا ہے تاہم رویت ہلال کے تمام اہم مسائل کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ باوجود اختصار کے نہایت مفید ہے بلکہ اس کو پڑھنے سے تشنگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ فاضل مصنف اگر اس موضوع پر ایک مفصل کتاب ترتیب دیں تو یہ امت مسلمہ کی ایک عظیم خدمت ہوگی۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		قیمت روپے
1	مجموعہ تفاسیر فراہی	176.00
2	حکمت قرآن	100.00
3	اقسام القرآن	00.00
4	ذبیح کون ہے	00.00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1	تدبر قرآن مکمل سیٹ (۹ جلد)	1584.00
	فی جلد	176.00
2	مبادی تدبر قرآن	63.00
3	مبادی تدبر حدیث	48.00
4	حقیقت شرک و توحید	78.00
5	حقیقت نماز	33.00
6	حقیقت تقویٰ	33.00
7	تزکیہ نفس (جلد اول اشاعت ۲۰۰۰ء ملک سنز)	60.00
	جلد دوم	63.00
8	دعوت دین اور اس کا طریق کار	66.00
9	اسلامی قانون کی تدوین	42.00
10	اسلامی ریاست	00.00
11	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	42.00
12	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	63.00
13	قرآن میں پردے کے احکام	8.00
14	[illegible] کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	66.00
15	تفہیم دین	54.00
16	مقالات اصلاحی: جلد اول	87.00
	جلد دوم	100.00
	جلد سوم	100.00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ، اچھرہ لاہور - 54600 - پاکستان - فون: 042-480800